جوا

اور

جوئے کی مروجہ شکلیں

زیر نگرانی حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

تالیف : محمد عبداللہ سلیمان مظاہری

مکرمی بخدمت مکرم
جناب بخاری علوم ربانی قاسمی صاحب
استاذ دار العلوم سبیل السلام
از مؤلف

جو اور جوئے کی مروجہ شکلیں

بسم الله الرحمن الرحيم

جوا اور جوئے کی مروجہ شکلیں

جس میں قمار و میسر کی حقیقت ، جوئے کی حرمت اور اس کے نقصانات ، زمانۂ جاہلیت میں جوئے کی اقسام ، موجودہ زمانہ میں جوئے کے مروج معاملات ، انشورنس اور کھیل کود میں جوئے کی صورت پر قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔

تألیف

محمد عبداللہ سلیمان مظاہری

زیر نگرانی

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی حفظہ اللہ ورعاہ

المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

جملہ حقوق بہ حق معہد محفوظ

طبع اول ۱۴۳۲ھ — ۲۰۱۱ء

کتاب : جوا اور جوئے کی مروجہ شکلیں

مؤلف : محمد عبداللہ سلیمان مظاہری

زیر نگرانی : حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی حفظہ اللہ ورعاہ

صفحات : ۲۱۴

کمپیوٹر کتابت : محمد نصیر عالم سبیلی (''**العالم**'' اُردو کمپیوٹر سنٹر، بیت العلم بارکس، کوتہ پیٹ، حیدرآباد:9959897621,9396518670)

سیٹنگ وتصحیح : قبا گرافکس، نزد المعہد العالی الاسلامی، فون:9704172672

سن اشاعت : محرم الحرام ۱۴۳۲ھ — جنوری ۲۰۱۱ء

قیمت : .....

ناشر

المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

تعلیم آباد قبا کالونی، شاہین نگر، حیدرآباد-۵۰۰۰۵ (اے پی)

ملنے کے پتے

- کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، ضلع سہارنپور (یوپی)
- المعہد العالی الاسلامی، تعلیم آباد قبا کالونی، شاہین نگر، حیدرآباد
- ہندوستان پیپر ایمپوریم، مچھلی کمان، حیدرآباد
- قبا گرافکس، قبا کالونی، نزد معہد، فون:9704172672

فہرست مضامین

- پیش لفظ : حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی حفظہ اللہ ورعاہ ۱۳
- تقریظ : حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی دامت برکاتہم ۱۶
- عرض مؤلف : از مؤلف ۱۸

پہلا باب : لغوی واصطلاحی تعریف

- قمار کی لغوی وشرعی تعریف ۲۷
- میسر کی لغوی وشرعی تعریف ۲۹
- قمار اور میسر ۳۱
- استسقام بالازلام ۳۲
- استسقام بالازلام اور قمار ومیسر میں فرق ۳۳
- قمار اور غرر وخطر ۳۵
- میسر وقمار کے ہم معنی الفاظ ۳۷

دوسرا باب : جوااور اس کے نقصانات

- جوئے کی حرمت - قرآن کی روشنی میں ۴۱
- جوئے کی حرمت - احادیث کی روشنی میں ۴۴

- اجماع وقیاس کی روشنی میں ۴۵
- جوئے کے مفاسد اور سماجی نقصانات ۴۶

تیسرا باب : جوئے کے معاملات کا ذکر-احادیث میں

- زمانۂ جاہلیت میں قمار ۵۳
- غرر کی حقیقت اور اس کا دائرۂ اثر ۵۴
- غرر کی قسمیں ۵۷
- غررِ کثیر ۵۷
- غررِ قلیل ۵۸
- غررِ متوسط ۵۸
- غرر کثیر اور غرر قلیل کے درمیان بنیادی فرق ۵۹
- غررِ یسیر کے چند نمونے ۶۲
  - بس کے کرایہ میں غرر ۶۲
- بیع مخاطرہ ۶۳
- بیع حصاۃ ۶۵
- بیع حصاۃ کا ایک مروجہ طریقہ ۶۶
- بیع حصاۃ کے باطل ہونے کی چند وجوہ ۶۷
- بیع ملامسہ ۶۸
- امام شافعی کی تشریح اور موجودہ دور میں قمار کی بعض مروج صورت ۶۸
  - چھوپے ہوئے چیزوں کی تجارت ۶۹
  - بغیر دیکھے سامان کو سامان سے تبادلہ ۷۰
- ملامسہ کے باطل ہونے کی چند وجوہ ۷۰

- ملامسہ کے سلسلہ میں فقہاء کی رائے ۷۱
- بیع منابذہ ۷۲
- ایک غلط فہمی کا ازالہ ۷۴
- بیع منابذہ کے فاسد ہونے کی جوہ ۷۴
- حمل کے حمل کی بیع ۷۵
- بعض اور صورتیں ۷۶
- فصل اور باغات کی خرید وفروخت ۷۸
- بیع محاقلہ اور اس کی تعریف ۷۹
- بیع محاقلہ کا شرعی حکم ۸۰
- بیع مزابنہ ۸۱
- بیع مزابنہ کا شرعی حکم ۸۲
- (مخابرہ) کھیتی میں بٹائی کی ایک خاص صورت ۸۲
- بٹائی داری کی ایک خاص صورت ۸۴
- بیع مخاضرہ ۸۵
- بدوصلاح کی علامت ۸۶
- بیع مخاضرہ کا شرعی حکم ۸۹
- کئی سالوں کے لئے باغات کی فروخت ۹۰
- بیع معاومہ کی تفسیر اور اس کا شرعی حکم ۹۱
- بیع معاومہ کی حرمت کے دو خاص پہلو ۹۳
- بیعانہ (Advonce) ۹۴
- بیعانہ کے متعلق ائمہ کی رائے ۹۵

❁ بیعانہ کے ناجائز ہونے کی وجوہ ۹۷

چوتھا باب : جوئے کے مروجہ معاملات

❁ قمار آمیز معاملات کی کچھ اور صورتیں ۱۰۳
❁ قرعہ اندازی کی ایک خاص صورت ۱۰۳
❁ انعامی اسکیموں کے ساتھ چیزیں فروخت کرنا ۱۰۵
❁ بند ڈبوں کی تجارت ۱۰۶
❁ گاہکوں کے لئے ترغیبی انعام ۱۰۷
❁ انعامی کمیٹی ۱۰۷
❁ نمائشوں کے انعامی ٹکٹ ۱۰۸
❁ شرکت میں نفع ونقصان کو قرعہ سے تقسیم کرنا ۱۰۹
❁ قسطوں پر روپیہ جمع کر کے سامان حاصل کرنا اور انعام لینا ۱۰۹
❁ پری پیمنٹ اسکیم ۱۱۱
❁ قسطوں پر کوئی شئ خریدنا ۱۱۲
❁ قسطوں پر زمین کی خرید وفروخت ۱۱۳
❁ قرعہ ڈال کر ایک دوسرے سے کھانا ۱۱۴
❁ ممبر در ممبر بنانے کی اسکیم ۱۱۴
❁ انعامی باؤنڈز خریدنا ۱۱۵
❁ چٹھی ڈالنا ۱۱۶
❁ چٹھی کی ایک ناجائز صورت ۱۱۷
❁ کمیشن چٹھی ۱۱۸
❁ امدادِ باہمی کی ایک جائز صورت ۱۲۰

- ماہنامہ وغیرہ کی لائف ممبری ۱۲۱
- اخباری معمے ۱۲۱
- ٹکٹ بیچنا ۱۲۴
- ہلال احمر کمپنی وغیرہ کے ٹکٹ خریدنا ۱۲۵
- برما کے ٹکٹ خریدنا ۱۲۵
- تھائی کی چھ نمبر والا ٹکٹ ۱۲۵
- لاٹری کی خرید وفروخت ۱۲۶
- کون بنے گا کروڑ پتی؟ ۱۲۷

پانچواں باب : انشورنس

- انشورنس کے معنی ۱۳۱
- بیمہ کی اقسام ۱۳۱
- زندگی کے بیمہ کی حقیقت ۱۳۱
- زندگی کے بیمہ کا شرعی حکم ۱۳۲
- سود ۱۳۲
- قمار ۱۳۳
- شرائط فاسدہ ۱۳۳
- انسانی جان واعضاء مال نہیں ۱۳۴
- کیا زندگی کا بیمہ ضرورتِ شدیدہ میں داخل ہے؟ ۱۳۵
- املاک کا بیمہ ۱۳۷
- املاک کے بیمہ کا شرعی حکم ۱۳۸
- دورِ حاضر میں املاک کے بیمہ کی ضرورت ۱۴۰

- املاک کے بیمہ کا جائز طریقہ ۱۴۱
- اضافی رقم کا مصرف ۱۴۲
- ذمہ داری کا بیمہ ۱۴۳
- سندی کاغذات اور نوٹوں کا بیمہ ۱۴۳
- سرکاری انشورنس ۱۴۵
- ای، ایس، اے کارپوریشن ۱۴۶
- گاڑی کا بیمہ ۱۴۷
- علاج کے لئے بیمہ (Health Insurance) ۱۴۸
- علاج ومعالجہ کے لئے بیمہ کا شرعی حکم ۱۴۹
- علاج کے لئے بیمہ کی ایک جائز صورت ۱۵۰
- خلاصۂ بحث ۱۵۰

چھٹا باب : لہوولعب

- لہوولعب کی حقیقت ۱۵۵
- مسابقت کی لغوی وشرعی تعریف ۱۵۸
- مسابقہ کی مشروعیت ۱۶۰
- کتاب اللہ ۱۶۰
- سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ۱۶۲
- اجماع ۱۶۴
- مسابقہ میں انعام یا معاوضہ ۱۶۵
- مسابقہ میں انعام یا معاوضہ کی شرائط ۱۶۶
- محلل کے لئے ضروری شرائط ۱۶۸

- دیگر کھیلوں میں شرط لگانا ۱۶۹
- کشتی لڑنا ۱۷۰
- کبوتر بازی ومرغ بازی ۱۷۵
- موجودہ زمانہ کے چند مروجہ کھیل ۱۷۹
  - پتنگ بازی ۱۷۹
  - کبوتر بازی ۱۷۹
  - لوڈو ۱۷۹
  - جان چوسر ۱۸۰
  - ٹیبل پر نشانہ بازی ۱۸۰
  - چوسر ۱۸۰
  - ویڈیو گیم ۱۸۰
- تعلیمی تاش کھیلنا ۱۸۴
- شطرنج کھیلنا(Chess Player) ۱۸۵
- شطرنج کے متعلق وعیدیں ۱۸۵
- شطرنج کے متعلق ائمہ کے اقوال ۱۸۸
- شافعیہ کی رائے ۱۸۸
- مالکیہ کا خیال ۱۸۹
- حنابلہ کا نقطۂ نظر ۱۹۰
- احناف کا موقف ۱۹۱
- ائمہ کے اقوال پر ایک نظر ۱۹۱
- نردشیر کھیلنا ۱۹۵

- نرد کھیلنے والوں کے متعلق وعیدیں ۱۹۵
- نرد کے متعلق ائمہ کے اقوال ۱۹۷
- نرد کتبِ احناف میں ۱۹۸
- نرد کتبِ مالکیہ میں ۱۹۹
- نرد کتبِ شافعیہ میں ۲۰۱
- نرد کتبِ حنابلہ میں ۲۰۱
- حرفِ آخر ۲۰۴
- مراجع ومصادر ۲۰۵

پیش لفظ

اسلام کے نظام معیشت کا ایک ایجابی پہلو ہے اور اس کی بنیاد زکوٰۃ وانفاق ہے، دوسرا سلبی پہلو ہے، جس کی اساس سود اور قمار کی ممانعت ہے، سود ہو یا قمار، قرآن مجید میں صراحت اور تاکید کے ساتھ ان کی ممانعت کا حکم آیا ہے، حدیثیں بھی بکثرت اس کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں اور یہ امت کے اجماعی مسائل میں سے ہے؛ کیوں کہ معیشت کے لئے نہایت نقصاندہ ہیں، سود پر تو اُردو میں بھی اور عربی میں بھی بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، جن میں سود کی حقیقت، معاشی نقطۂ نظر سے سود کے نقصانات، عقل ومصلحت کی میزان میں سود کی مضرتوں کا تجزیہ اور تجارتی سود وغیرہ جیسے موضوعات زیر بحث آئے ہیں۔

لیکن جوا پر بہت کم لکھا گیا ہے، اُردو میں تو شاید اس موضوع پر مستقل طور پر کوئی بھی کتاب موجود نہیں ہے؛ حالاں کہ سرمایہ دارنہ نظام نے محنت کے بغیر اور کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ مال حاصل کرنے کی جو حرص لوگوں میں پیدا کردی ہے، اس کے تحت جوا ایک ذریعۂ معاش کی صورت اختیار کر گیا ہے، پہلے تو لوگ انفرادی طور پر جوا کھیلتے تھے، مگر اب تو اس کے لئے کمپنیاں وجود میں آچکی ہیں، پہلے جوئے کا دائرہ چند افراد اور ایک محلّہ تک محدود ہوتا تھا؛ لیکن اب جوئے کے لئے بین الاقوامی روابط موجود ہیں اور اس کا دائرہ پورے عالَم تک وسیع ہوگیا ہے، اب لاٹری، تاش اور کھیلوں تک ہی جوا محدود نہیں ہے؛ بلکہ انشورنس کی شکل میں یہ باضابطہ طور پر کسب معاش کا ایک ذریعہ بن چکا ہے، شیئر مارکیٹ

میں بھی کئی ایسی صورتیں مروج ہوگئی ہیں جو اپنی حقیقت کے اعتبار سے جوا ہے، کھیلوں میں اب کھیلنے والی پارٹیوں ہی کے درمیان جوے پر مبنی بازی نہیں لگائی؛ بلکہ دوسرے لوگ بھی کھلاڑیوں پر بازی لگاتے ہیں، غرض کہ اس وقت جوا سرمایہ دارانہ نظام معیشت کا ایک حصہ بن چکا ہے۔

قمار اور قمار آمیز معاملات کی کثرت کی وجہ سے عرصہ سے اس حقیر کے ذہن میں یہ بات تھی کہ ''**جوا اور ئے کی مروجہ شکلوں**'' پر تفصیلی کام ہونا چاہئے، جس میں تحقیق کا رنگ بھی ہو اور دعوت وتذکیر کا پہلو بھی؛ چنانچہ عزیز گرامی قدر مولوی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری نے جب ۱۴۲۳ھ میں تخصص فی الفقہ والافتاء (سال دوم) میں داخلہ لیا تو میں نے ان کے مقالہ کے لئے یہی عنوان منتخب کیا، ماشاء اللہ عزیز موصوف راہ علم کے فہیم اور محنتی مسافر ہیں اور بحث وتحقیق کا جذبہ بھی رکھتے ہیں اور سلیقہ بھی؛ چنانچہ انھوں نے محنت سے یہ مقالہ سپرد قلم کیا ہے، اس مقالہ کی اہم بات یہ ہے کہ اس میں انھوں نے زیادہ تر جوے کے مروجہ معاملات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے اور بعض معاملات کو سمجھنے کے لئے اہل معاملہ سے ملاقاتیں بھی کی ہیں، اس طرح بحمد اللہ یہ ایک بہتر تحریر ہوگئی ہے، راقم الحروف نے پورے مقالہ پر نظر ڈالی ہے، نیز مواد جمع کرنے اور لکھنے کے درمیان بھی مشورے دیتا رہا ہے۔

عزیزی سلمہ نے معہد میں دوران تربیت ''**الاختلافات الفقهية بين المشايخ الحنفية**'' کی ایک جلد — جو احوال شخصیہ سے متعلق ہے — کا اہم کام بھی کیا ہے، اس کتاب میں ان مسائل کو جمع کیا گیا ہے، جن کے بارے میں خود فقہائے احناف کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے، اور مفتی بہ قول کے سلسلہ میں ایک سے زیادہ اقوال پائے جاتے ہیں، ان شاء اللہ یہ افتاء کا کام کرنے والوں کے لئے بہترین علمی رفیق ثابت ہوگی۔

اس کے علاوہ عزیزی سلمہ نے اس حقیر کے بکھرے ہوئے فتاوی کو بھی جمع ومرتب کیا ہے، نیز کہیں کہیں حوالہ جات کی تخریج بھی کی ہے، جو چھ جلدوں میں ''کتاب الفتاوی'' کے

نام سے منظر عام پر آچکی ہے، توقع ہے کہ مزید چار پانچ جلدیں آئیں گی، یہ بھی آنعزیزی ہی کے زیر ترتیب ہے، اسی طرح معہد کے شعبۂ حدیث نے علامہ کاسانیؒ کی مشہور تالیف ''بدائع الصنائع'' کی تخریج کا کام شروع کرایا ہے، اس تخریج پر ''دراسہ'' کا کام جاری ہے، جس کا مقصد اس کی کمیوں کو پورا کرنا اور منہج میں یکسانیت لانا ہے، اس سلسلہ میں بھی عزیزی سلمہ نے اپنے بعض اور رفقاء کے ساتھ خدمت کی سعادت حاصل کی ہے۔

اس حقیر کو عزیزی سلمہ سے بڑی توقعات ہیں، اللہ کرے یہ کتاب لوگوں کے گناہ سے بچانے میں معاون ثابت ہو اور مصنف کو مزید علمی کاموں کی توفیق دے۔ واللہ ہوالموفق

۱۷ر محرم الحرام ۱۴۳۲ھ
۲۴ر دسمبر ۲۰۱۰ء

خالد سیف اللہ رحمانی
(ناظم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

تقریظ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ، اما بعد .

ادارہ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد سالوں سے قائم ہے جو ملک کے مختلف مدارسِ اسلامیہ کے ہونہار فارغین کی تعلیم وتربیت میں مشغول ہے اور مختلف فنون میں ان طلبۂ فارغین کی تعلیم وتربیت کررہا ہے اور مختلف فنون میں ان طلبۂ فارغین کو داخل کرکے ان سے فن خاص میں مطالعہ وکتب بینی کا کام لیتا ہے اور یہ مطالعہ ذی استعداد مدرسین کی نگرانی میں کرتے ہیں اور بعد مطالعہ وہ خاص موضوع کو بنیاد بنا کر مقالہ تیار کراتے ہیں، جس کی نگرانی بانی ادارہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی خود کرتے ہیں، اس کی خوبی وکمی پر نقد ونظر کرتے ہیں، پھر وہ مکمل ہوکر چھپتا اور اہل علم اور صاحبِ فضل و کمال کے سامنے آتا ہے۔

زیرنظر مقالہ ''**جوااور جوئے کی مروجہ شکلیں**'' پر تیار کیا گیا ہے، یہ مقالہ چھ ابواب پر مشتمل ہے، خاکسار نے سرسری طور پر جگہ جگہ سے پڑھا، پسند آیا اور اندازہ ہوا کہ مقالہ نگار نے کافی محنت کی ہے اور ہر گوشہ پر نظر ڈالی ہے، کسی گوشہ کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔

اس مقالہ کے مرتب عزیز مکرم مولانا محمد عبداللہ سلیمان مظاہری ہیں اور انھوں

نے خود بانی ادارہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی زیر نگرانی یہ خدمت انجام دی ہے، مجھے بجا طور پر توقع ہے کہ اہل علم اس مقالۂ علمی کو پڑھ کر دلی مسرت کا اظہار کریں گے اور مؤلف ونگران کی محنت وکاوش پر مبارکباد پیش کریں گے، اخیر میں دُعاء ہے کہ رب العالمین مؤلف کی یہ خدمت قبول فرمائے اوران کے لئے زادِ آخرت بنائے۔

طالب دُعاء

۱۵/ جمادی الآخر ۱۴۲۵ھ

محمد ظفیر الدین غفرلہ

(سینئر مفتی دارالعلوم دیوبند)

عرضِ مؤلف

الحمد لله الذی بیّن لنا الحلال والحرام ونجانا عن الخبائث بالطیبات ،

وصلی الله تعالٰی علٰی خیر البریة وعلٰی اٰله وأصحابه أجمعین . أما بعد !

آج کل اعتقادات ، عبادات ، معاملات غرض دین کے ہر شعبہ میں ہماری سستی اور غفلت کی انتہا ہوگئی ہے ، اگر اسلامی آئین وضوابط پر پورے طور سے کاربند رہنے والے مسلمانوں کو تلاش کیا جائے ، تو بہت کم اس کسوٹی پر اُتریں گے ، خصوصاً کسبِ معاش کے معاملہ میں تو یہ حال ہوگیا ہے کہ گویا یہ جزء دین ہی نہیں ، جو لوگ عبادات کے باب میں بڑے پابند شریعت نظر آتے ہیں ، وہ بھی ''کسبِ معاش'' میں اسلام اور اس کی تعلیمات سے بے گانہ اور بے بہرہ معلوم ہوتے ہیں اور اس تعلق سے اپنی نادانی ولاعلمی ، یا اپنے مغرب زدہ مزاج ومذاق کے سبب ایسے ایسے اُمور کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں ، جو اسلامی آئین وفرامین کی رو سے ناجائز وحرام ہیں ، انھیں میں سے ایک ''قمار'' اور ''جوئے بازی'' کا معاملہ بھی ہے ، حالاں کہ اسلام کا بنیادی تصور یہ ہے کہ ہر شخص خود اپنی محنت اور جدو جہد سے نفع حاصل کرے ، دوسرے کے مال کا استحصال نہ کرے ۔

ایک مسلمان اس تعلق سے وہی کچھ کر جاتا ہے جو اسلام اور اس کی تعلیمات کے منکرین کیا کرتے ہیں ، یعنی جس طرح ایک غیر مسلم حلال وحرام کی پرواہ کئے بغیر معاش کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے ، اسی طرح ایک مسلم بھی یہی کرتا ہے ؛ حالاں کہ حلال روزی

سارے اعمال کی روح ہے۔

یوں تو ہمارے سارے معاملات ہی بے اعتدالیوں کا شکار ہیں، مگر اس وقت خصوصیت سے ایسے معاملات کی کثرت ہوگئی اور ہوتی جارہی ہے جن میں ''قمار'' (جوا) شامل ہے، جس کو قرآن میں ایک درجہ میں بت پرستی کے برابر قرار دیا گیا ہے: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (المائدۃ :۹۰)

''قمار'' یعنی جوا صرف یہی نہیں ہے کہ چند روپے یا چند پیسے کی بازی لگا کر فائدہ یا نقصان اُٹھایا جائے؛ بلکہ جوئے اور قمار بازی میں وہ تمام صورتیں داخل ہیں، جن میں ایک آدمی کا مال دوسرے آدمی کو کسی استحقاق کے بغیر مل جاتا ہے، اس نئے دور میں — جس کو بعض سطحی نظر والے ترقی کا دور کہتے ہیں — جس طرح شراب کے نئے نئے نام رکھ لئے گئے ہیں، سود کی نئی نئی صورتیں اور نئے نئے اجماعی طریقے ''بنکنگ'' کے نام سے ایجاد کر لئے گئے ہیں، اسی طرح ''قمار'' کی بھی سینکڑوں شکلیں ہمارے معاشرے میں رائج ہیں، مثلاً: لاٹری، سٹہ بازی، ریس، چوسر، شطرنج، تاش، کبوتر بازی، مرغ بازی، معمہ وغیرہ کے ذریعہ جو فائدہ حاصل کیا جاتا ہے یہ بھی ''جوا'' میں داخل ہے، جس سے نہ صرف انفرادی؛ بلکہ اجتماعی زندگی بھی خاصی متاثر ہورہی ہے، اس میں شک نہیں کہ اگر جوا کا معاملہ صرف دو چار آدمیوں کے درمیان منحصر رہتا تو اس کے مضرات عالمی پیمانے پر نمایاں نہ ہوتے، مگر چوں کہ پوری دنیا میں یہ ناسور پھیل چکا ہے، اس کے مضرات بھی نہ صرف انفرادی؛ بلکہ اجتماعی اور عالمگیر ہوگئے ہیں۔

ان ہی حالات کے پیش نظر استاذ و مربی حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب حفظہ اللہ ورعاہ (ناظم و بانی المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد) نے بندہ کو اس کی طرف توجہ دلائی کہ ''**جوا اور جوئے کی مروجہ شکلیں**'' کے موضوع پر تفصیلی مقالہ لکھا جائے، مولانا مدظلہ کے توجہ دلانے ہی کی وجہ سے بندہ نے زیر بحث مقالہ ''**جوا اور جوئے کی مروجہ شکلیں**'' میں جوئے کی مروجہ شکلوں اور اس کے احکام کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، اس سلسلہ میں جوئے کے مراکز

اوراس سے متعلق اشخاص وجوابازوں سے بھی رُجوع ہونا پڑااور جن جن معاملات میں جوااور جوا کی شکلیں پائی جاتی ہیں، ان سب کے متعلق بھی ایسے معاملات سے ربط رکھنے والے اشخاص واداروں سے رُجوع کیا ہے اوراس کے بعد قرآن وحدیث اور فقہ کی روشنی میں مدلل حوالہ کے ساتھ بات کوواضح کرنے کی کوشش کی ہے؛ تاکہ جومسلمان اپنی زندگی شریعت کے مطابق گزارنا چاہتے ہیں، مگرناواقفیت، یاغفلت کی وجہ سے ان قمار آمیز معاملات میں مبتلا ہیں، ان کوصحیح احکام سے آگاہی ہوجائے، وہ ان سے احتراز کرسکیں، اوراپنی آخرت سنوارسکیں۔

بندہ نے اس مقالہ کو چھ ابواب میں تقسیم کیا ہے :

پہلے باب میں ''قمار'' و''میسر'' اور دیگر الفاظ — جن کولغوی وشرعی اصطلاح میں جوا کے معنی ہی میں استعمال کیا گیا — کی تعریف سے متعلق تفصیلی بحث ہے۔

دوسرے باب میں ''جوا'' کی حرمت اور اس کے نقصانات کوقرآن وحدیث اوراجماع وقیاس کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔

تیسرے باب میں زمانۂ جاہلیت کے جن معاملات کوحضور اقدس ﷺ نے قمار یا قمار کی آمیزش پائی جانے کی وجہ سے منع فرمایا ہے، ان کی تفصیل حدیث وفقہ کی روشنی میں بیان کی گئی ہے۔

چوتھے باب میں دورِ حاضر کے جوا کے مروجہ معاملات کا ذکر ہے، جن کو ہمارے اکابرعلماء نے اپنی اپنی کتابوں میں بیان فرمایا ہے۔

پانچویں باب میں انشورنس اوراس سے متعلق اقسام کی جائز وناجائز شکلوں پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

چھٹا باب ''لہوولعب'' سے متعلق ہے ''لہوولعب'' کا دائرہ وسیع ہے؛ لیکن بندہ نے صرف اپنے موضوع یعنی ''جوا'' سے متعلق اقسام پر ہی بحث کی ہے، جن میں مسابقت، گھوڑ دوڑ، شطرنج، چوسر اوراسی طرح ''لہوولعب'' کے وہ طریقے جن میں شرط یا بازی لگائی جاتی ہے اور ہار جیت پر کھیلا جاتا ہے، ان سب پر تفصیلی روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

میرے لئے سعادت کی بات ہے کہ مجھے ہندوستان کی ایک مرکزی دینی جامعہ ''مظاہر علوم وقف'' سہارنپور سے علمی استفادہ کرنے کا موقع ملا، پھر اس حقیر نے ''مظاہر علوم وقف'' میں تکمیل تفسیر اور ''المعہد العالی للتدریب فی القضاء والإفتاء'' پھلواری شریف، پٹنہ میں افتاء وقضاء کی تربیت حاصل کی اور عبقری عالم وفقیہ حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی نور اللہ مرقدہ سے تلمذ کی سعادت حاصل ہوئی، پھر جب حیدرآباد میں ''المعہد العالی الإسلامی'' قائم ہوا، اور بہت جلد اس کی شہرت ملک کے کونہ کونہ میں پہنچ گئی تو جذب وشوق کی چنگاری یہاں لے آئی جو واقعی افراد سازی اور مردم گری میں ایک منفرد نوعیت کا حامل ادارہ ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس ادارہ کے کئی سالہ قیام نے میری حقیر صلاحیتوں کو پروان چڑھایا اور جذبۂ تحقیق سے نوازا جس میں بنیادی کردار حضرت الاستاذ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی تربیت کا ہے، ان کے دامن تربیت سے وابستہ ہوکر فکر ونظر اور علم وعمل کی بہت سی کامیابیوں کو حاصل کرنے کا موقع ملا، اور یہیں اس مقالہ کی ترتیب وتألیف کی سعادت حاصل ہوئی۔

اللہ رب العزت نے اس مقالہ کی ترتیب میں میری جس طرح مدد واعانت فرمائی ہے وہ حقیقی معنی میں بیان سے بالاتر ہے، یہ محض اسی ذات کی نصرت ومدد کا ثمرہ ہے؛ کیوں کہ اگر اس ذات پاک کی مدد شامل حال نہ ہوتی تو اتنی سی مدت میں یہ کام مکمل نہ ہو پاتا، اگر قارئین کو اس مقالہ سے کوئی فائدہ محسوس ہو تو یہ اس رب عظیم کی عنایت کا ثمرہ ہے اور اگر کسی قسم کی غلطیوں اور خامیوں کا احساس ہو تو اس کی نسبت میں خود اپنی طرف کرتا ہوں۔

مربی ومخدومی حضرت الاستاذ فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب حفظہ اللہ ورعاہ نے اس سلسلہ میں شروع سے آخر تک تحریک، ترغیب، تشویق، وہمت افزائی اور بے پناہ شفقتوں کے ذریعہ جس طرح میری سرپرستی فرمائی اور اس کی تکمیل کا جس قدر آپ کو شدت سے اشتیاق وانتظار رہا اس کو میں بیان نہیں کرسکتا اور ان کے ان عظیم احسانات کو زندگی بھر فراموش بھی نہیں کرسکتا، محض توفیق الٰہی سے پایۂ تکمیل تک پہنچنے والی اپنی اس معمولی

سی کوشش کو ان ہی کی بابرکت ذاتِ گرامی کی طرف انتساب کرتے ہوئے میں یہی دُعاء کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ملت کی اس عظیم امانت کو تادیر سلامت رکھے اور ان کو ان کی نا قابل فراموش دینی خدمت کا آخرت میں اپنی شایانِ شان بدلہ نصیب فرمائے! آمین

میں اپنی اس حقیر سی کاوش کا اپنے مرحوم والدین کی طرف بھی انتساب کرنا ضروری سمجھتا ہوں، جنہوں نے میری دینی تعلیم میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، تمام تر نا مساعد حالات کے باوجود میرے لئے علم دین کے زیور سے آراستہ کرنے کی راہ ہموار کی اور اس میدان میں مشغول رہنے کا میرے اندر جذبہ پیدا کیا، ان کی حسن تربیت کا نتیجہ اور ہدایات ونصائح اور استجاب دُعاؤں کا ثمرہ ہے کہ ناچیز کو بہت سی علمی وفقہی خدمات انجام دینے کا موقع ملا اور فراغت کے بعد سے تادم تحریر دینی خدمات سے وابستہ ہے۔

یہ بھی والدین کی دعاء نیم شبی ہی کا اثر ہے کہ حضرت الاستاذ فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی ''کتاب الفتاوی'' کی چھ جلدوں میں ترتیب وتخریج میرے حصہ میں آئی، اس میں حضرت الاستاذ کے فتاوی کے خصوصیات اور امتیازی پہلو پر تقریباً ۷۵ صفحات لکھنے کی نصیب ہوئی اور آئندہ جلدوں کی ترتیب وتحقیق کا بھی جاری ہے، توقع ہے کہ وہ بھی انشاء اللہ تقریباً پانچ جلدوں میں مکمل ہوگا۔

اسی تحقیقی عمل سے دلچسپی کی وجہ سے ناچیز کو ''أحادیث البدائع'' کے نام سے شائع شدہ عربی زبان کی اہم تألیف — جو فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''بدائع الصنائع'' کی احادیث کی تفصیلی تخریج ہے — پر کام کرنے اور اس کے دراسہ میں شامل ہونے کی توفیق ہوئی، نیز ''الاختلافات الفقهية بين الفقهاء الحنفية'' کے جزء ''الأحوال الشخصية'' کا کام حضرت الاستاذ نے اس حقیر کے حوالہ کیا اور اسے مکمل کرنے کا موقع ملا، امید ہے کہ انشاء اللہ عنقریب وہ بھی منظر عام پر آئے گی۔

اس وقت بھی بندہ حضرت مولانا محمد رضوان القاسمیؒ (سابق ناظم دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد) کے فتاوی کی تحقیق وتخریج کے ساتھ ساتھ ترتیب کا کام کر رہا ہے، امید ہے

کہ یہ مجموعہ تقریباً چھ جلدوں پر مشتمل ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ میرے والدین کو اپنے سایۂ رحمت میں جگہ نصیب فرمائے، ان کی کوتاہیوں سے درگذر فرمائے اور انہیں جنت الفردوس کا حقدار بنائے! آمین ثم آمین!

میں مولانا مفتی جمال الدین صاحب قاسمی (صدر مفتی دارالعلوم حیدرآباد) مولانا سعود عالم قاسمی (استاد دارالعلوم حیدرآباد، و نائب قاضی شریعت دارالقضاء امارت ملت اسلامیہ، آندھراپردیش) کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ ان دونوں حضرات نے اپنی بے پناہ مشغولیات کے باوجود میرے اس مسودہ کی خامیوں کی تصحیح فرمائی، اور مولانا آفتاب غازی قاسمی کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے کمپوزنگ کے بعد اس کی تصحیح میں اپنی قیمتی وقت صرف کرکے میرا تعاون کیا ہے، اس کے علاوہ میں محترم حسین خان مرحوم (رین بازار) کا بھی شکر گزار ہوں، جن کا مجھے وقتاً فوقتاً اس سلسلہ میں تعاون حاصل رہا ہے۔

جس ذات پاک نے محض اپنے لطف وکرم سے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے، اسی کی ذاتِ عالی کی بارگاہ میں دُعاء ہے کہ اس کو اپنے پاس قبولیت سے نواز کر اس کے نفع کو عام فرمائے اور اس کو میرے لئے زادِ آخرت بنائے۔ آمین

۱۵ر محرم الحرام ۱۴۳۲ھ
۲۲ر دسمبر ۲۰۱۰ء

محمد عبداللہ سلیمان مظاہری
(قبا کالونی، شاہین نگر، حیدرآباد)

جوااور جوئے کی مروجہ شکلیں

پہلا باب

لغوی واصطلاحی تعریف

قمار کی لغوی وشرعی تعریف

''قمر، قمراً'' باب ضرب سے جوا کھیلنا اور اسی سے ہے ''قمر الرجال'' یعنی جوئے میں غالب آنا؛(۱) چنانچہ ''القاموس المحیط'' میں ہے :

وقامره مقامرة وقمارا فقمره كنصره وتقمره راهنه فغلبه وهو التقامر .(۲)

''القاموس الوحید'' میں ہے :

''قمار'' ہر وہ کھیل ہے جس میں کوئی بازی لگائی گئی ہو کہ جیتنے والے ہارنے والے سے فلاں چیز لے گا، جوا، سٹہ، تاش وغیرہ جن میں مذکورہ شرط باندھی گئی ہو۔(۳)

مترجمین ''المنجد'' رقمطراز ہیں :

''قمار'' مصدر ہے اور یہ ہر اس کھیل کو کہا جاتا ہے جس میں یہ شرط لگائی جائے کہ کوئی چیز مغلوب سے لے گا، خواہ کسی بھی ذریعہ سے ہو۔(۴)

علامہ جرجانیؒ نے قمار پر اس طرح روشنی ڈالی ہے :

القمار : هو أن يأخذ من صاحبه شيئا فشيئا في اللعب ،

---

(۱) مصباح اللغات:۷۰۵

(۲) القاموس المحيط:۳/۶۸۷، نيل الأوطار:۸/۱۰۷

(۳) القاموس الوحيد:۲/۱۳۵۳

(۴) المنجد، عربی سے اُردو:۸۳۷

القمار في لعب زماننا : كل لعب يشترط فيه غالبا من المتقالبين شئ من المغلوب . (۱)

''قمار'' کھیل میں اپنے مدمقابل سے ایک ایک کرکے کسی چیز کا حاصل کرنا ہے اور ہمارے دور کے کھیل میں ہر وہ کھیل ہے، جس میں جیتنے والے نے ہارنے والے سے کوئی چیز وصول کرنے کی شرط لگائی ہو۔

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ نے ''قمار'' کی تعریف اس طرح کی ہے :

ہر وہ معاملہ جو نفع ونقصان کے درمیان دائر اور مبہم ہو، اصطلاح میں ''قمار'' اور ''میسر'' کہلاتا ہے اور اُردو زبان میں اس کو ''جوا'' کہا جاتا ہے، دو شخص آپس میں شرط لگائیں کہ تم آگے بڑھ گئے تو تم کو ایک ہزار روپے دونگا اور میں آگے بڑھ گیا تو تمہیں ایک ہزار روپے دینے پڑیں گے، یا اس طرح کہ اگر بارش ہوئی تو تم ایک ہزار روپے مجھے دینا اور اگر بارش نہیں ہوئی تو میں تم کو ایک ہزار روپے دونگا۔(۲)

اسی طرح علامہ شامیؒ (۱۱۹۸-۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں: ''قمار'' قمر (چاند) سے مشتق ہے، جو گھٹتا بڑھتا رہتا ہے، چوں کہ قمار کے حصے بھی گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں؛ اس لئے اس کو ''قمار'' کہا جاتا ہے؛ چنانچہ ردالمحتار میں ہے :

القمار من القمر الذى يزداد تارة وينقص أخرى ، وسمى القمار قمارًا؛ لأن كل واحد من القمامير ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه ويجوز أن يستفيد

(۱) كتاب التعريفات:۱۸۱

(۲) جواهر الفقه:۳۳۶/۲

مال صاحبه . (۱)

''قمار'' قمر (چاند) سے مشتق ہے، جو گھٹتا بڑھتا رہتا ہے، قمار کو بھی اسی لئے قمار کہا جاتا ہے کہ جواری کے لئے ممکن ہے کہ اس کا مال دوسرے فریق کے حصہ میں چلا جائے اور دوسرے فریق کا مال اس کو مل جائے؛ اس لئے اس کو ''قمار'' کہا جاتا ہے۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ جن معاملات میں کسی چیز کا ملنا نہ ملنا دونوں طرف برابر و مساوی ہو تو وہ قمار ہے۔

میسر کی لغوی و شرعی تعریف

لفظ ''میسر''، ''موعد'' کی طرح مصدر میمی ہے، باب ضرب سے آتا ہے، اس کا مصدر ''یسر'' بھی آتا ہے، جس کے معنی آسانی کے ہیں؛ چوں کہ جو معاملات ''میسر'' کے ذیل میں آتے ہیں، ان میں دوسرے کے مال کو بلا محنت و مشقت آسانی سے ہضم کر لیا جاتا ہے؛ اس لئے اس کو ''میسر'' کہتے ہیں۔(۲)

امام ابوبکر جصاصؒ (۳۰۵-۳۷۰ھ) فرماتے ہیں :

اصل لغت میں ''میسر'' کے معنی تقسیم کرنے کے ہیں؛ اسی لئے تقسیم کرنے والے کو ''یاسر'' کہا جاتا ہے، (۳) اور بعض مفسرین میسر جوا کھیلنے کو کہتے ہیں اور وہ ''یسر ، ییسر'' سے آتا ہے۔(۴)

---

(۱) ردالمختار علی الدر المختار ، باب الحظر والا باحة:۵۷۸/۹

(۲) تفسیر الکشاف:۲۸۸/۱،تفسیر ابو السعود:۲۱۸/۱،التفسیر الکبیر للرازی:۳۱۸/۲،التفسیر المنیر:۲۶۹/۲،البحر المحیط:۱۵۷/۲

(۳) أحکام القرآن للجصاص:۳۹۸/۱، طبع:دار الکتب العلمیة،بیروت.

(۴) القاموس المحیط:۶۷۵/۲،الجامع لأحکام القرآن:۳۶/۳/۲

''الموسوعۃ الفقہیہ'' میں ہے :

میسر کا معنی لغوی اعتبار سے عرب کے قمار کے ہم معنی ہے، جو ''ازلام'' کے ذریعہ کھیلا جاتا ہے، صاحبِ قاموس نے میسر کا اطلاق گوٹی اور نرد پر کیا ہے اور اس کی شرعی تعریف بھی قریب قریب یہی ہے۔(۱)

''القاموس الوحید'' میں ہے :

تیروں سے کھیلا جانے والا جوا اور ہر وہ کھیل جس میں جوئے کی طرح بازی لگائی جائے، جیسے: شطرنج وغیرہ یا بچوں کا اخروٹ پھینکنے کا ایک کھیل، وہ اونٹ جس پر جوا کھیلا جاتا ہو، عربوں میں یہ رسم تھی کہ اونٹ ذبح کرکے اور اس کے دس یا اٹھائیس حصے کرتے تھے، پھر تیروں سے قرعہ ڈالتے، جس کے نام پر بے نشان تیر نکلتا اس کو ذبح شدہ اونٹ کی قیمت ادا کرنی پڑتی تھی۔(۲)

الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ مولانا عبدالحفیظ بلیاویؒ نے بھی یہی لکھا ہے۔(۳)

غرض کہ ''میسر'' لغوی معنی کے اعتبار سے جوا اور جوا کی تمام اقسام کو کہتے ہیں اور شرعی معنی بھی قریب قریب یہی ہے؛ چنانچہ ''البحر المحیط'' میں ہے :

المیسر وھو قمار الجاھلیۃ وأما فی الشریعۃ فإسم المیسر یطلق علی سائر ضروب القمار . (۴)

''میسر'' وہ جوا ہے جو زمانۂ جاہلیت میں کھیلا جاتا ہے اور شریعت میں ''میسر'' قمار کی تمام شکلوں کو کہتے ہیں۔

---

(۱) الموسوعۃ الفقہیۃ:۳۹/۴۰۵، ط : وزارۃ الأوقاف والشئون الإسلامیۃ – کویت

(۲) القاموس الوحید:۲/۱۹۱۳، نیز دیکھئے:لغات القرآن:۵/۴۹۳، تفسیر طبری:۱/۵۸۸

(۳) دیکھئے:مصباح اللغات:۱۰۱۸

(۴) تفسیر البحر المحیط:۲/۱۵۷

قمار اور میسر

حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت علی رضی اللہ عنہ، عطاء، قتادہ، طاؤس، محمد بن سیرین، حسن بن المسیب، مجاہد اور معاویہ بن صالح رحمہم اللہ سے منقول ہے :

وكل شئ فيه قمار ، من نرد ، وشطرنج فهو الميسر ، حتى لعب الصبيان بالجوز والكعب . (۱)

اور ہر وہ شئ جس میں قمار ہو (یعنی جیت ہار کی شرط لگائی گئی ہو) خواہ وہ نرد (یعنی چوسر کی طرح کا کھیل) ہو، یا شطرنج، وہ سب ''میسر'' ہے؛ حتیٰ کہ بچوں کا اخروٹ یا لکڑی کے گٹکوں کھیلنا بھی میسر میں داخل ہے۔

امام مالکؒ نے ''میسر'' کی دو قسمیں کی ہیں :

وقال مالک : الميسر ميسران ، ميسر اللهو ، فمنه النرد والشطرنج والملاهي كلها ، وميسر قمار ، وهو ما يخطر الناس عليه . (۲)

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میسر دو طرح کے ہوتے ہیں ''میسر اللہو'' یعنی چوسر، شطرنج، وغیرہ اور دوسرا ''میسر القمار'' یعنی جس کام کے وجود وعدم وجود میں سے کسی کا یقین نہ ہو۔

ان صراحتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ''قمار'' کی تمام ہی شکلیں ''میسر'' میں داخل ہیں؛ چنانچہ ابوحیانؒ تحریر فرماتے ہیں :

---

(۱) الجامع لأحكام القرآن: ۳۶/۳/۲

(۲) البحر المحيط: ۱۵۷/۲، نیز دیکھئے: الجامع لأحكام القرآن: ۳۶/۳، تفسير المنير: ۲۸۲/۲، كتاب التعريفات للجرجاني: ۱۷۹، مجموعه فتاوىٰ ابن تيميه: ۲۴۲/۳۲، الموسوعة الفقهية: ۴۰۵/۳۹

فإسم الميسر يطلق على سائر ضروب القمار . (۱)

''میسر'' کے تحت ''قمار'' کی تمام شکلیں آجاتی ہیں۔

امام بغویؒ (۴۳۶-۵۱۶ھ) (۲) اور علامہ قرطبیؒ نے بھی یہی لکھا ہے، (۳) اور علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں :

الميسر هو القمار . (۴) ''میسر جوا ہی ہے''

غرض کہ ''میسر'' اور ''قمار'' کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، اُردو میں اس کو ''جوا'' کہا جاتا ہے۔

استسقام بالازلام

قمار ہی کی ایک صورت ''ازلام'' (پانسوں) کی ہے، جو زمانہ جاہلیت میں مروج تھا، ''ازلام'' لفظ ''زُلم'' کی جمع ہے؛ جس کے معنی جوئے کے تیر کے ہیں، اس کا وزن ''جمل'' سے بھی آتا ہے اور ''صدر'' سے بھی۔ (۵)

علامہ ابن منظورؒ (۶۳۰-۷۱۱ھ) رقمطراز ہیں :

> ''زَلم، زُلم'' کے معنی ایسے تیر کے ہیں جو بغیر پر اور نصل کے ہو، اس کی جمع ''ازلام'' ہے، اس طرح ''زُلم'' (جمع ازلام) وہ حصہ ہے، جو زمانۂ جاہلیت میں قرعہ اندازی کے ذریعہ تقسیم کیا جاتا تھا۔ (۶)

---

(۱) تفسير البحر المحيط:۱۵۷/۲

(۲) شرح السنة:۳۸۴/۱۲

(۳) تفسير البحر المحيط:۱۵۷/۲، نیز دیکھئے:الجامع لأحكام القرآن:۳۶/۳/۲

(۴) ابن كثير:۱۹۹/۱، نیز دیکھئے:أحكام القرآن للجصاص:۳۹۸/۱، البحر المحيط:۱۵۷/۲

(۵) قاموس القرآن:۴۶، نیز دیکھئے:لغات القرآن:۸۵/۱

(۶) لسان العرب:۷۵/۶، نیز دیکھئے:القاموس المحيط:۴۶۹/۲

یہ لفظ قرآن پاک میں بھی آیا ہے؛ چنانچہ فرمان خداوندی ہے :

وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْأَزْلَامِ . (۱)

نیز یہ بھی تمہارے لئے ناجائز ہے کہ پانسوں کے ذریعہ سے اپنی قسمت معلوم کرو۔(۲)

مفسرین نے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ ''ازلام'' سے مراد وہ تیر ہے، جو زمانۂ جاہلیت میں نفع ونقصان جاننے کے لئے مقرر تھا، جب کسی سفر، جنگ، تجارت، نکاح اور اس طرح کے دوسرے اہم کاموں کو شروع کرنے کا ارادہ کیا جاتا تو سب سے پہلے اس سے رُجوع کیا جاتا اور اس کے مطابق عمل کیا جاتا، اس میں بعض قول کے مطابق سات، بعض قول میں دس اور بعض کے مطابق اٹھائیس تیر تھے، جن میں سے بعض تیر پر ''أمرنی ربی ''یعنی میرے رب نے حکم دیا، بعض تیر پر ''نهانی ربی ''یعنی میرے رب نے منع کیا لکھا تھا اور بعض تیر پر لکھا ہوا نہیں ہوتا تھا، جب کسی کو اپنی قسمت یا آئندہ کسی کام کا مفید ہونا، یا مضر ہونا معلوم کرنا ہوتا تو وہ ان تیروں کو ترکش سے ایک ایک کر کے نکالتا تھا، اگر اس پر لفظ ''أمرنی ربی ''نکل آیا تو سمجھتے تھے کہ یہ کام مفید ہے اور اس کام کو انجام دیتے تھے اور اگر ''نهانی ربی ''نکل آیا تو وہ سمجھتے تھے کہ یہ کام نہیں کرنا چاہئے اور اس کام سے اجتناب کرتے تھے اور اگر خالی تیر نکل آیا تو دوبارہ اس کو از سر نو نکالا جاتا۔(۳)

استسقام بالازلام اور قمار ومیسر میں فرق

پانسوں کے ذریعہ حصے کے معلوم کرنے کی یہ صورت بھی ''قمار'' ہی کی ایک صورت ہے،

---

(۱) المائدۃ:۳

(۲) تفہیم القرآن:۴۴۱/۱

(۳) دیکھئے:التفسیر الکبیر:۵۶۰/۵-۵۶۱،البحر المحیط:۴۲۴/۳،روح المعانی:۸۷/۴،الدر المنثور: ۴۵۴/۲-۴۵۵،تفسیر قرطبی:۱۶/۳،تفسیر کشاف:۶۳۸/۱،لسان العرب:۱۶۳/۱۱،قاموس القرآن:۴۶،لغات القرآن:۷۵/۱

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ''معارف القرآن'' میں: ''وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ'' کے تحت لکھتے ہیں :

''استقسام بالازلام'' کا لفظ کبھی ''قمار'' یعنی جوئے کے لئے بھی بولا جاتا ہے، جس میں قرعہ اندازی یا لاٹری کے طریقوں سے حقوق کی تعیین کی جائے، یہ بنص قرآن حرام ہے جس کو قرآن کریم نے ''میسر'' کے نام سے ممنوع قرار دیا ہے۔(۱)

الفاظ وتعبیرات کے قدرے فرق کے ساتھ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ، مجاہدؒ، شعبیؒ اور وکیعؒ وغیرہ نے بھی اسے جوئے کا حصہ قرار دیا ہے،(۲) یہی بات امام رازیؒ نے بھی لکھی ہے۔(۳)

اسی طرح مولانا مفتی شفیع صاحبؒ نے ایک اور موقع پر صاف لکھا ہے کہ ''میسر'' اور ''ازلام'' نتیجہ کے اعتبار سے ایک ہی ہیں ،(۴) ''الموسوعۃ الفقہیۃ'' میں اس پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا گیا ہے :

فالمعنى المشترک فی کل من المیسر والاستسقام بالأزلام هو التردد بین أمور متعددة للفرد ، لکن الفرق بینهما هو أن الاستسقام یستخدم للتصرف لا لأخذ المال کما في المیسر . (۵)

''میسر'' اور ''استقسام'' کے درمیان بنیادی طور پر فرد کے لئے متعدد اُمور میں تردد ہونا مشترک ہے ؛ البتہ ان دونوں کے

---

(۱) معارف القرآن:۳۱/۳

(۲) البحر المحیط:۴۲۴/۳، نیز دیکھئے:روح المعانی:۸۹/۴،معارف القرآن:۳۱/۳،الدر المنثور فی تفسیر المأثور:۴۵۵/۲، تفسیر کشاف:۶۳۸/۱،لسان العرب:۷۵/۶

(۳) التفسیر الکبیر:۵۶۰/۵

(۴) معارف القرآن:۲۲۷/۳

(۵) الموسوعة الفقهیة :۴۰۵/۳۹، من وزارة الأوقاف والشئون الإسلامیة -کویت

درمیان فرق یہ ہے کہ ''استقسام'' تصرف کے لئے استعمال کیا جاتا تھا، صرف ''میسر'' کی طرح مال حاصل کرنے کے لئے نہیں۔

حاصل یہ ہے کہ استقسام قمار میں داخل ہے؛ البتہ قمار اس کے مقابلہ میں عام ہے۔

قمار اور غرر وخطر

''غرر'' اور ''خطر'' میں معنی کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے، جس معاملہ کے وجود وعدم وجود دونوں میں شک ہو یا اس کے انجام کا کوئی یقینی علم نہ ہو، اس کو ''غرر'' کہتے ہیں، ''خطر'' میں بھی ایک طرح کا غرر ہی ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ''غیر مملوک'' چیز — جو شئے ابھی ملکیت میں نہیں آئی ہو — کی خرید وفروخت میں چوں کہ ملکیت کے ثابت ہونے اور نہ ہونے دونوں کا احتمال رہتا ہے؛ اس لئے اس کو ''بیع الخطر'' کہا جاتا ہے، جیسا کہ علامہ ابن ہمامؒ (م:۸۶۱ھ) نے لکھا ہے :

والغرر الخطر ، وغير المملوك على خطر ثبوت الملك وعدمه ؛ فلذا جعل من بيع الخطر . (۱)

اکثر کتبِ فقہ وغیرہ میں ''غرر'' کو اسی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔(۲)

''غرر'' اور ''خطر'' دونوں ہی ''قمار'' (جوئے) کی اقسام میں سے ہیں اور دونوں ہی حرام ہیں اور اس پر فقہاء کرام کا اتفاق ہے؛ چنانچہ امام ابوبکر جصاصؒ لکھتے ہیں :

ولا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار ، و أن المخاطرة من القمار ، قال ابن عباس ﷺ: إن المخاطرة

---

(۱) فتح القدير:۴۹/۶، ط: مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، پاکستان۔

(۲) بدائع الصنائع :۳۶۶/۴، فتح القدير :۴۹/۶، المدونة الكبرى :۲۵۴/۳، زاد المعاد :۸۲۰/۵، القاموس الفقهي لسعدي:۲۷۲، موسوعة فقه عمر بن الخطاب:۵۱۷

قمار وأن أهل الجاهلية كانوا يخاطرون على المال والزوجة وقد كان ذلك مباحا إلى أن ورد تحريمه . (۱)

جوئے کے حرام ہونے اور مخاطرہ کے ''قمار'' میں داخل ہونے کے سلسلہ میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''خطر'' (کم یا زیادہ ملنے کا احتمال) جوا ہے، اہل جاہلیت اپنے مال اور بیوی پر ''مخاطرہ'' (داؤ لگایا) کرتے تھے، شروع میں اس کی اباحت تھی، مگر پھر حرمت کی آیت نازل ہوگئی۔

امام مالک نے ''المدونۃ الکبریٰ'' میں ''غرر'' میں شامل ہونے والی بیوع کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے :

فكان هذا كله من أبواب القمار . (۲)

یہ سب بیوع جوئے کی قبیل سے ہیں۔

علامہ ابن قیم جوزیؒ (۶۹۱ھ-۷۵۱ھ) نے بھی ''غرر'' کی تعریف کرنے کے بعد لکھا ہے :

فصار هذا من نوع الميسر والقمار والمخاطرة . (۳)

یہ (غرر) میسر، قمار اور مخاطرہ ہی کی قبیل سے ہے۔

اسی طرح علامہ ابن تیمیہؒ (۶۶۱ھ-۷۲۸ھ) اور حافظ ابن رشد نے بھی مختلف خطر وغرر والے ان معاملات کا ذکر کرنے کے بعد جو زمانۂ جاہلیت میں مروج تھا، لکھا ہے کہ یہ

---

(۱) أحكام القرآن للجصاص:۱/۳۹۹

(۲) المدونة الكبرىٰ:۳/۲۵۴، ط:دارالفكر، بيروت۔

(۳) زاد المعاد:۳/۲۵۴

(۴) دیکھئے:مجموعه فتاوى ابن تيميه:۲۹/۴۲۶،مقدمات ابن رشد على هامش المدونة الكبرى: ۳/۲۰۸،ط : دارالفكر۔

سب قمار میں داخل ہیں ؛ (۴) البتہ غرر، میسر کے مقابلہ میں زیادہ عام ہے، جیسا کہ ''الموسوعۃ الفقہیۃ'' میں ہے :

والعلاقة بين الغرر والميسر ظاهرة ، وهي أن الغرر أعم من الميسر . (۱)

''غرر'' اور ''میسر'' کے درمیان تعلق ظاہر ہے؛ کیوں کہ ''غرر'' ''میسر'' سے بھی زیادہ عام ہے۔

پس ''غرر'' کا مفہوم وسیع ہے، اس میں میسر و قمار بھی ہے اور دوسری صورتیں بھی؛ چنانچہ ''غرر'' کی کچھ صورتیں جائز بھی ہیں، جن کی تفصیلی بحث انشاء اللہ اپنی جگہ آئے گی۔

میسر و قمار کے ہم معنی الفاظ

بعض اور الفاظ جن کا قمار و میسر میں استعمال ہوتا ہے، ان میں ''سبق'' بھی ہے؛ البتہ سبق کی بعض صورتیں جائز بھی ہیں اور خاص صورتوں میں اس کا اطلاق ہوتا ہے، (۲) اسی طرح ''رہان'' کا لفظ ہے، جس کا معنی ہے دوڑ لگانے کی بازی، شرط، اسی سے ''خیل الرہان'' ہے، یعنی وہ گھوڑے جس کی دوڑ پر بازی لگائی جائے اور شرط باندھی جائے ، (۳) یہ بھی جوئے کی ایک قسم ہے؛ البتہ بہ مقابلہ جوئے کے یہ خاص ہے: ''**وهو أخص من الميسر**'' (۴)۔

(۱) الموسوعة الفقهية:۴۰۴/۳۹

(۲) الموسوعة الفقهية:۴۰۴/۳۹

(۳) القاموس الوحيد:۴۰۴/۲، نیز دیکھئے:لسان العرب:۳۴۹/۵،القاموس المحيط :۴۰۴/۲، الموسوعة الفقهية:۴۰۵/۳۹

(۴) الموسوعة الفقهية:۴۰۴/۳۹

جوااور جوئے کی مروجہ شکلیں

دوسرا باب

جوئے اور اس کے نقصانات

جوئے کی حرمت- قرآن کی روشنی میں

زمانۂ جاہلیت اور ابتداءِ اسلام میں شراب خوری اور قمار بازی کا بھی عام رواج تھا، عام لوگ ان دونوں اُمور کے ظاہری فوائد کو دیکھ کر ان پر فریفتہ تھے اور ان کے اندر جو بہت سے مفاسد اور خرابیاں تھیں، ان پر ان کی نظر نہیں تھیں، مگر ایسی سعید روحیں بھی تھیں جنھوں نے شراب حرام ہونے سے پہلے بھی کبھی شراب نوشی نہیں کی اور نہ ہی کبھی جوا کھیلا، ہجرت مدینہ کے بعد چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب ان دونوں (شراب اور جوا) کے مفسدات کا زیادہ احساس ہوا اور ان کے حلال ہونے کے متعلق دل میں ایک قسم کا خلجان محسوس ہوا تو بعض نامور اصحابِ رسول نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا عریضہ پیش کر کے استفتاء کیا؛ چنانچہ علامہ واحدیؒ وغیرہ نقل کرتے ہیں :

نزلت فی عمر بن الخطاب ومعاذ بن جبل ونفر من الانصار أتوا رسول الله صلى الله عليه وسلم قالوا : أفتنا فی الخمر والميسر فإنهما مذهبة للعقل ومسلبة للمال ؛فأنزل الله تعالٰی هذه الآية (۱)

آیت کریمہ ''یَسْأَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَا اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا '' (البقرۃ:۲۱۹) حضرت عمر فاروق، حضرت معاذ بن جبل اور چند انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئی، جب کہ

(۱) روح المعانی:۱۶۸/۲، ط: مکتبہ زکریا، دیوبند۔

انھوں نے — شراب اور قمار کی حلت کے متعلق ایک طرح کا خلجان محسوس کر کے — حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا عریضہ رکھا کہ شراب اور قمار انسان کی عقل کو خراب کرتے ہیں اور ان کے مال کو برباد کرتے ہیں، سو اس بارے میں آپ ﷺ کا کیا ارشاد ہے؟ تو یہ آیت ''یسألونک الخ'' نازل ہوئی کہ لوگ آپ ﷺ سے شراب اور قمار کی نسبت دریافت کرتے ہیں، آپ فرمادیجئے کہ ان دونوں (چیزوں کے استعمال) میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں بھی (پیدا ہوجاتی) ہیں اور لوگوں کو (بعضے) فائدے بھی ہوتے ہیں اور (وہ) گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں، (اس لئے دونوں قابل ترک ہیں)۔(۱)

اس آیت شریفہ میں شراب اور جوئے کے متعلق صراحتاً ممانعت نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عربوں میں شراب اور قمار کا رواج بہت قدیم اور بڑی کثرت سے تھا؛ اس لئے اس کی حرمت میں تدریج سے کام لیا گیا، پہلے مرحلہ میں صرف اس قدر کہا گیا کہ شراب اور جوئے کے نقصانات ان کے فائدے سے زیادہ ہیں۔

اس آیت کے نزول کے بعد بعض صحابہ نے تو شراب اور قمار کو بالکل چھوڑ دیا، بعض نے کچھ ظاہری فوائد ومنافع کی بناء پر نہیں چھوڑا، اس سلسلہ میں صراحت نہ ہونے کی وجہ سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت فکر مند تھے؛ اسی لئے آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا فرمائی: ''**اللھم بین لنافی الخمر بیاناً شافیاً**''(۲) خدایا!

---

(۱) معارف القرآن، از: مفتی محمد شفیع: ۲۲۴/۳-۲۲۵

(۲) مختصر تفسیر ابن کثیر: ۱۹۹/۱، نیز دیکھئے: تفسیر کشاف: ۲۸۸/۱، روح المعانی: ۱۶۹/۲، أحکام القرآن لإبن عربی: ۱۴۹/۱

شراب کے متعلق وافی وشافی بیان فرمادیجئے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شراب کے سلسلہ میں تیسرے مرحلہ میں اور جوئے کے سلسلہ میں دوسرے مرحلہ میں نہ صرف مکمل حرمت کا اعلان کردیا گیا؛ بلکہ اس کے لئے انتہائی تاکید اور سخت تنبیہ کا اُسلوب بھی اختیار کیا گیا، ارشاد ربانی ہے :

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ، إِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ . (۱)

اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور پانسے، سب گندے کام ہیں شیطان کے سو ان سے بچتے رہو؛ تاکہ تم نجات پاؤ، شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ ڈالے تم میں دشمنی اور بیر بذریعہ شراب اور جوئے کے اور روکے تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے، سو کیا اب بھی تم باز آؤ گے؟

اس آیت شریفہ میں اللہ رب العزت نے شراب، جوا، بت اور پانسے (جوئے کے تیر)— چار چیزوں کی حرمت بیان فرماتے ہوئے ان چاروں چیزوں کو ''رجس'' قرار دیا ہے اور ''رجس'' عربی زبان میں ایسی گندی چیز کو کہا جاتا ہے، جس سے انسان کی طبیعت کو گھن اور نفرت پیدا ہو، تو مطلب یہ ہوا کہ یہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ اگر انسان ذرا بھی عقل سلیم اور طبع سلیم رکھتا ہو تو خود بخود ان چیزوں سے اس کو گھن اور نفرت ہوگی، (۲)— نیز اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ قمار بازی بھی شراب نوشی ہی کی طرح حرام ہے؛ بلکہ ان دونوں کو بت پرستی کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

(۱) المائدۃ:۹۰-۹۱

(۲) دیکھئے:معارف القرآن ، از مفتی محمد شفیع:۲۲۴/۳-۲۲۵

جوئے کی حرمت - احادیث کی روشنی میں

جوا کے متعلق احادیث میں بھی بڑی مذمت آئی ہے، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا :

من قال لصاحبه : تعال أقامرک فليتصدق . (۱)

جو شخص اپنے ساتھی سے کہے کہ آؤ! تمہارے ساتھ جوا کھیلوں تو اسے صدقہ کرنا چاہئے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف جوئے کی دعوت دینا بھی اتنا بڑا جرم ہے کہ صدقہ کے ذریعہ اس کا کفارہ ادا کر دینا چاہئے، چہ جائے کہ خود جوا کھیلنا، یا جوئے کا کاروبار کرنا؛ اسی لئے حضور اقدس ﷺ نے ایسے تمام تجارتی معاملات اور کاروبار کو ممنوع قرار دیا ہے، جس میں قمار اور جوئے کا عنصر پایا جاتا ہو، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے :

..... ونهى عن الخمر والميسر . (۲)

.....حضور اقدس ﷺ نے جوا اور شراب سے منع فرمایا ہے۔

مسند احمد اور صحیح مسلم وغیرہ میں ایک روایت مذکور ہے :

عن بريدة أن النبى صلى الله عليه وسلم قال : من لعب بالنرد شير فكأنما صبغ يده فى لحم خنزير ودمه . (۳)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص نرد شیر (قمار کی ایک قسم) کھیلتا ہے، گویا وہ خنزیر کے گوشت اور خون میں اپنا ہاتھ رنگتا ہے۔

---

(۱) صحيح البخارى ، كتاب التفسير ،حديث نمبر:۴۸۶۰،وكتاب الأدب ،حديث نمبر:۶۱۰۷،وكتاب الاستئذان ،حديث نمبر:۶۳۰۱،وكتاب الأيمان ،حديث نمبر:۶۶۵۰،صحيح مسلم ، كتاب الأيمان ،حديث نمبر:۴۳۴۹،۴۳۵۰، كنز العمال:۱۶۲/۱۹،حديث نمبر:۸۷۰

(۲) مسند إمام أحمد:۲۱۲/۲،حديث نمبر:۶۴۷۵

(۳) مسند إمام أحمد،حديث نمبر:۲۲۹۷۳،۲۳۰۱۹،۲۳۰۵۰

اور ایک حدیث میں حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ سے روایت نقل کی گئی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا :

من لعب بالنرد فقد عصى الله ورسوله . (۱)

جس شخص نے نردشیر (قمار کی ایک قسم) کھیلا اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی۔

اسی طرح حضرت زبیر بن صلت ﷺ کی روایت ہے کہ انھوں نے حضرت عثمان غنی ﷺ کو منبر پر خطاب کرتے ہوئے سنا :

اے لوگو! تم لوگ ''میسر'' یعنی چوسر سے پرہیز کرو؛ کیوں کہ میرے پاس خبر پہنچی ہے کہ تم میں سے چند لوگوں کے گھروں میں چوسر موجود ہے، سو جن جن کے پاس وہ موجود ہو وہ اس کو جلادے یا توڑ دے اور دوسری مرتبہ آپ ﷺ نے منبر ہی سے فرمایا اے لوگو! میں چوسر کے سلسلہ میں تم لوگوں کو منع کر چکا ہوں، پھر بھی تم لوگوں نے اس کو نہیں پھینکا (یعنی چھوڑا نہیں ہے)؛ اس لئے میں یہ ارادہ رکھتا ہوں کہ لکڑیاں جمع کراؤں، پھر جن جن لوگوں کے گھروں میں چوسر (جوا) ہے، ان سب کے گھروں کو جلادوں۔ (۲)

اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں، جن سے جوا کی حرمت اور اس کا مذموم وناپسندیدہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اجماع وقیاس کی روشنی میں

صحابہ کرام ﷺ، تابعینؒ وتبع تابعینؒ اور فقہاء ومحدثینؒ اس پر متفق ہیں کہ ''قمار'' یعنی

(۱) مسند امام احمد: ۵۳۶/۴، حدیث نمبر: ۱۹۴۹۷، نیل الأوطار: ۱۰۶/۸

(۲) کنز العمال: ۱۶۳/۱۹، ط: حیدرآباد (انڈیا)

جوا کی تمام صورتیں حرام ہیں اور اس میں خطر والے معاملات بھی شامل ہیں، یعنی جس معاملہ میں ہار جیت دونوں کا امکان ہو وہ قمار ہے اور وہ حرام ہے، چنانچہ امام ابوبکر جصاص رازیؒ (م:۳۷۰ھ) رقمطراز ہیں :

ولا خلاف بين أهل العلم في تحريم القمار ، وأن المخاطرة من القمار . (۱)

جوئے کے حرام ہونے اور ''مخاطرہ'' کے جوئے ہونے میں اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اسی طرح ابوحیان اندلسی (م:۷۵۴ھ) نے لکھا ہے :

الإجماع منعقد على تحريمه . (۲)

''قمار'' (جوا) کے حرام ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

امام قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ قمار کی تمام اقسام کے حرام ہونے پر علماء وفقہاء کا اجماع ہے: ''إجماع العلماء أن القمار كله حرام''۔(۳)

ان تصریحات سے واضح ہے کہ قمار کے حرام ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے، نیز یہ بات بھی مسلّم ہے کہ قمار کو ہر عقل سلیم اور طبع سلیم کا مالک نفرت اور گھن کی نگاہ سے دیکھتا ہے، اور دیکھنا ہی چاہے؛ کیوں کہ قمار سے نہ صرف انفرادی؛ بلکہ اجتماعی زندگی پر بھی منفی اثر پڑتا ہے، قریہ قریہ، شہر شہر اور ملک ملک اس کی زد میں آکر معاشی اور معاشرتی ابتری کا شکار ہو جاتا ہے؛ اس لئے قرآن وحدیث کی رو سے تو قمار کی حرمت ثابت ہے ہی، عقلاً بھی اس کی حرمت میں دو رائے نہیں ہو سکتی۔

جوئے کے مفاسد اور سماجی نقصانات

شراب کے جو نقصانات ہیں جوا کے بھی وہی نقصانات ہیں، یعنی جس طرح شراب

(۱) أحكام القرآن للجصاص:۱/۳۹۸-۳۹۹

(۲) البحر المحيط:۲/۱۵۷ (۳) الجامع لأحكام القرآن:۲/۳/۳۵

میں کچھ منافع ہیں مگر اس کی مضرتیں منفعت سے بہت زیادہ ہیں، اسی طرح جوا کے بھی کچھ منافع ضرور ہیں؛ مگر اس کی مضرتیں منافع سے کہیں زیادہ ہیں، اس کے منافع کو تو ہر شخص جانتا ہے کہ بازی جیتنے والا بیٹھے بٹھائے سرمایہ دار بن جاتا ہے، مگر اس سے جو معاشی، اجتماعی، سماجی اور روحانی خرابیاں اور مفاسد متعلق ہیں، ان سے بہت کم لوگ آگاہ ہیں، اس میں کوئی دورائے نہیں کہ ''جوا'' مجموعی حیثیت سے قوم کی تباہی اور اخلاقِ انسانی کی موت کا سبب ہے؛ کیوں کہ جس انسان کو خلق خدا کی نفع رسانی اور ایثار و ہمدردی کا پیکر ہونا چاہئے، وہ جوا کے ذریعہ ایک خونخوار درندہ کی صفت اختیار کر کے دوسرے بھائی کی موت میں اپنی زندگی، اس کی مصیبت میں اپنی راحت، اس کے نقصانات میں اپنا نفع سمجھنے لگتا ہے اور اپنی پوری صلاحیت اس خودغرضی پر صرف کرتا ہے۔

قمار آپس میں لڑائی جھگڑا اور فتنہ وفساد کا باعث ہوتا ہے، ہارنے والے کو طبعی طور پر جیت جانے والے سے نفرت اور عداوت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ تمدن اور معاشرہ کے لئے سخت مہلک چیز ہے؛ اس لئے قرآن کریم میں خاص طور پر جوئے کی اس برائی کا ذکر کیا گیا ہے۔

جوا کا ایک لازمی اثر یہ ہے کہ اس میں مست ہو کر انسان اللہ کے ذکر اور نماز سے غافل ہو جاتا ہے، جوا کی ایک خرابی یہ بھی ہے کہ یہ باطل طریقہ پر دوسرے کا مال ہضم کرنے کا ایک طریقہ ہے، جس سے قرآن کریم نے ان الفاظ میں منع فرمایا ہے :

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ . (۱)

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق (یعنی غیر مباح) طور پر مت کھاؤ! لیکن (مباح طور پر، مثلاً) کوئی تجارت ہو، جو باہمی رضامندی سے واقع ہو (بشرطیکہ اس میں اور سب بھی شرائط شرعیہ ہوں) تو مضائقہ نہیں۔ (۲)

---

(۱) النساء:۲۹ (۲) معارف القرآن:۲/۲۷۷

باطل طریقہ پر مال کھانے (أكل بالباطل) کی تشریح کرتے ہوئے ابوحیان اندلسیؒ کا بیان ہے :

هو أن يأكل بالرباء والقمار والبخس والظلم ، وغير ذلك مما لم يبح الله تعالىٰ أكل المال به ..... وهو قول ابن مسعود رضى الله عنه والجمهور . (۱)

یہ (چوری، ڈاکہ، غصب، خیانت، رشوت اور) سود وقمار اور ظلم اور ایسے کاموں کے ذریعہ جو شرعاً ممنوع اور ناجائز ہیں، دوسرے کا مال کھانا شامل ہے اور یہی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔

اور آگے فرماتے ہیں :

يشمل قوله أموالكم مال الغير ومال نفسه ، فنهى أن يأكل مال غيره إلا بطريق مشروع ، و نهى أن يأكل مال نفسه بالباطل وهو إنفاقه فى معاصى الله تعالىٰ . (۲)

اس کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی خود اپنا مال ہی ناجائز طور سے کھائے، مثلاً: ایسے کاموں میں خرچ کرے جو شرعاً گناہ یا اسراف بے جا ہیں، وہ بھی آیت کی رو سے ممنوع وناجائز ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جوا سے جو مال حاصل ہوتا ہے، وہ بھی ناحق وناجائز ہے۔

جوا میں ایک مفسدہ یہ بھی ہے کہ اس سے انسان کی قوت عمل سست ہو کر وہمی منافع پر لگ جاتی ہے اور وہ بجائے اس کے کہ اپنی قوت، ہاتھ یا دماغ کی محنت سے دولت بڑھائے،

---

(۱) البحر المحيط: ۲۳۰/۳-۲۳۱

(۲) البحر المحيط: ۲۳۱/۳

اس کی ساری محنت صرف اس بات میں منحصر ہو کر رہ جاتی ہے کہ دوسرے کی کمائی پر اپنا قبضہ کیسے جمایا جائے؟(۱)

انھیں نقصانات اور مضرتوں کو حضرت شاہ ولی اللہ نور اللہ مرقدہ (۱۱۱۴-۱۱۷۶ھ) نے اس طرح بیان فرمایا ہے :

> یاد رہے کہ ''جوا'' حرام اور باطل ہے؛ اس لئے کہ یہ لوگوں سے ان کے اُمور جھپٹنے اور چھیننے سے عبارت ہے اور اس کا مدار جہالت، حرص، باطل خواہشات اور دھوکہ وفریب پر ہے..... اور اگر ہارنے والا خاموش ہے تو غصہ اور نا اُمیدی پر خاموش ہے، اگر جھگڑا اور لڑائی کرتا ہے تو ایسی بات پر کہ جس کا سبب وہ خود بنا ہے اور قصداً اس میں پڑا ہے، جیتنے والا اسی جوئے سے لذت اندوز ہوتا ہے، یہ زیادہ سے زیادہ کی طرف دعوت دیتا ہے اور اسے لالچ میں گرفتار رکھتا ہے اور یہ حرص اس کو چھوڑنے نہیں دیتی اور جلد ہی اسے اس پر حسرت وافسوس ہوگا، اس کا سلسلہ چل پڑے تو معیشت کو نقصان ہوگا آپس میں مخاصمت بڑھے گی، معاشی تگ ودو ٹھپ پڑ جائے گی اور اس تعاون سے جو تمدن کی بنیاد ہے، لوگوں میں اعراض پیدا ہو جائے گی، اگر آپ نے کسی جوئے باز کو دیکھا ہے تو آپ کو اس کا بخوبی اندازہ ہوگا۔(۲)

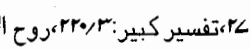

---

(۱) دیکھئے: التفسیر المنیر: ۲۷۹/۲، تفسیر کبیر: ۲۲۰/۳، روح المعانی: ۱۷۳/۲

(۲) حجة اللّٰه البالغة مع اُردو ترجمہ: ۲۵۸/۲، نیز اس سلسلہ میں تفصیلات دیکھنا چاہتے ہوں تو تفسیر کبیر: ۲۲۰/۳، التفسیر المنیر: ۲۷۹/۲، روح المعانی: ۱۷۳/۲، وغیرہ میں دیکھ سکتے ہیں۔

جوا اور جوئے کی مروجہ شکلیں

تیسرا باب

جوئے کے معاملات کا ذکر احادیث میں

زمانۂ جاہلیت میں جوا

زمانۂ جاہلیت میں جوا کا رواج بہت زیادہ تھا اور اس کی ایک خاص صورت یہ رائج تھی کہ قمار کے دس یا اٹھائیس پانسے ہوتے تھے، جن پر مختلف مقدار، دو یا تین یا چار کا عدد لکھا رہتا تھا، بعض تیر بے نصیب بھی لکھے ہوئے تھے، یعنی ان پر کوئی حصہ مقرر نہ تھا، ان تیروں کو ہلا کر ایک ایک شخص کے نام سے ایک ایک تیر کسی ایک شخص سے اُٹھواتے تھے، جس شخص کے نام پر جس قسم کا تیر نکل آتا وہ اس کا حصہ قرار پاتا اور وہ اس پر لکھے ہوئے حصے کے مطابق ان کا مالک سمجھا جاتا اور جس شخص کے نام پر بے نصیب نکلتا وہ بالکل محروم رہتا، عموماً ہوتا یہ تھا کہ ایک اونٹ ذبح کر کے اس کو ان تیروں کے مقرر حصوں کے موافق تقسیم کرتے تھے اور جس شخص کے نام بے نصیب نکلتا ایک طرف تو وہ اونٹ کے گوشت سے محروم رہتا اور دوسری طرف اونٹ کی قیمت بھی اس کو ادا کرنی پڑتی اور اس کے بعد تمام گوشت کو فقراء کے درمیان تقسیم کر دیتے تھے، اس خاص قسم کے قمار کو قرآن میں ''میسر'' اور ''ازلام'' کے نام سے ذکر فرمایا گیا ہے، اس جوئے میں چوں کہ فقراء کا فائدہ اور جوا کھیلنے والوں کی سخاوت کا اظہار تھا؛ اس لئے اس کھیل کو لوگ باعث فخر سمجھتے تھے جو اس میں شریک نہ ہوتا، اس کو بخیل کہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ایسے کھیل (جس کا گاہے فقراء کو فائدہ ہوتا تھا) کو بھی حرام قرار دیا اور اسی طرح وہ معاملات جن میں ہار جیت اور نقصان و فائدہ دونوں مساوی ہوں اور اسی بناء پر نفع خالص یا تاوانِ خالص برداشت کرنے کا دونوں جانب احتمال ہوتا ہے، ان سب کو فقہاء نے حرام قرار دیا ہے؛ کیوں کہ اسی کو شرعاً جوا کہتے ہیں۔(۱)

---

(۱) تفسیر کشاف:۲۸۹/۱، نیز دیکھئے: التفسیر الکبیر :۳۱۹/۳، البحر المحیط:۱۵۴/۲-۱۵۵، التفسیر المنیر:۲۷۸/۲، روح المعانی:۱۶۸/۲، ط: مکتبہ زکریا، دیوبند۔

زمانہ جاہلیت میں اس قسم کے جوا کے علاوہ خرید وفروخت میں بھی قمار کی مختلف صوتیں رائج تھیں، جن کو مختلف ناموں سے تعبیر کیا جاتا تھا، حضور اقدس ﷺ نے تجارت کی بہت سی صورتوں کو جوا یا اس کے مشابہ ہونے کی وجہ سے منع فرمایا ہے، انشاء اللہ ہم آگے اس کا ذکر کریں گے۔

بیع غرر کی حقیقت اور اس کا دائرۂ اثر

حضور اقدس ﷺ نے بہت سے معاملات کو ''غرر'' کی وجہ سے منع فرمایا ہے؛ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ''غرر'' کی حقیقت اور اس کے دائرہ اثر کی وضاحت ہوجائے۔

بہ قول قاضی عیاضؒ ''غرر'' ایسی چیز یا حالت کو کہتے ہیں، جس کا ظاہر پسندیدہ ہو اور باطن ناپسندیدہ؛ اسی لئے دنیا کو ''متاع الغرور'' کہا گیا ہے ''غرارہ'' کے معنی دھوکہ اور ''غِرّ'' (غین کے زیر کے ساتھ) کے معنی ''دھوکہ خور'' کے ہیں، (۱) شیخ عبدالرحمٰن البناءؒ نے بھی بیان کیا ہے کہ ''غرر'' وہ ہے جو ظاہری اعتبار سے خریدار کے لئے دھوکہ کھانے کا باعث ہو اور باطن مجہول ہو :

هو ماكان له ظاهر يغر المشترى وباطن مجهول . (۲)

''غرر'' کی اصطلاحی تعریف میں بھی اس کا یہی معنی ملحوظ ہے، علامہ جرجانیؒ کہتے ہیں کہ ''غرر'' وہ ہے، جس کا انجام معلوم نہ ہو :

الغرر ما يكون مجهولة العاقبة لا يدرى أيكون أم لا . (۳)

اسی معنی میں علامہ سرخسیؒ (۴۰۰-۴۹۰ھ) اور علامہ کاسانیؒ (م: ۵۸۷ھ) نے بھی استعمال کیا ہے کہ ''غرر'' وہ ہے جس میں انجام کی خبر نہ ہو ''الغرر ما يكون مستورة

(۱) كتاب الفروق للقرافى: ۲۶۶/۳

(۲) الفتح الربانى شرح مسند احمد: ۳۳/۱۵

(۳) تبيين الحقائق: ۴۳۶/۱۰

العاقبة''(۱)علامہ کاسانیؒ اس کو مزید واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ''غرر وہ اندیشہ ناک و پُرخطر بات ہے، جس میں شک کی طرح وجود عدم وجود دونوں پہلو برابر ہو :

فإن الغرر الذی استوی فیه طرف الوجود والعدم بمنزلة الشک . (۲)

علامہ قرافی مالکیؒ کا بیان ہے کہ''غرر'' وہ ہے جس کا حصول وعدم حصول معلوم نہ ہو:

''وأصل الغرر هو الذی لا یدری هل یحصل أم لا ؟''(۳)ملاعلی قاریؒ (م:۱۰۱۴ھ) کے الفاظ علامہ کاسانیؒ سے خاصے ملتے جلتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ''غرر'' ان اندیشہ ناک و پرخطر بات میں سے ایک ہے جس کا انجام معلوم نہ ہو''مالا یعلم عاقبته من الخطر الذي لا یدري أیکون أم لا ؟''(۴)حضرت شاہ ولی اللہؒ (۱۱۱۴-۱۱۷۶ھ) نے بھی'' غرر'' کا یہی معنی ذکر کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:''غرر'' ہے جس میں وجود وعدم وجود اور اس کا پایا جانا اور نہ پایا جانا یقینی نہ ہو''وهو الذی لا یتیقن أنه موجود أو لا وهل یجده أو لا''(۵) علامہ اکمل الدین بابرتیؒ (م:۷۸۶ھ) کے الفاظ بھی کچھ اسی طرح ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ:''غرر'' وہ معاملہ ہے جس کا انجام معلوم نہ ہو،'' وهو ما نطوت عنک معیته وخفیت علیک عاقبة''(۶) نیز محقق ابن ہمامؒ (۷۸۸-۸۶۱ھ) نے بھی'' غرر'' کی اس طرح تعریف کی ہے کہ''غرر'' پرخطر اور غیر مملوک چیز ہے جس کی ملکیت ثابت ہونے اور نہ ہونے میں خطرہ ہو، اسی وجہ سے اس کو''بیع خطر'' بھی کہا جاتا ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع:۳۶۶/۴،المبسوط للسرخسی:۱۹۴/۱۳

(۲) بدائع الصنائع:۳۶۶/۴،المبسوط للسرخسی:۱۹۴/۱۳

(۳) الکتاب الفروق للقرافی:۲۶۵/۳

(۴) مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح :۳۲۹/۹

(۵) حجۃ اللہ البالغہ مع اُردو ترجمہ:۲۶۸/۲

(۶) عنایه علی هامش فتح القدیر:۵۰/۶،ط: مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، پاکستان۔

والغرر الخطر وغير المملوك على خطر ثبوت الملك وعدمه فلذا جعل من بيع الخطر . (۱)

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ''والغرر ما انطوى عنه أمره وخفى عليه عاقبته فلم يجز بيعه ''(۲) جب کہ علامہ ابن قیم جوزیؒ (م:۷۵۱ھ) نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے :

فإن الغرر هو ماتردد بين الحصول والفوات ، وعلى القاعدة الأخرى : هو ما طُويت معرفته و جهلت عينه .

''غرر'' وہ ہے جس کے حاصل ہونے میں تردد ہو، یا اس کی معرفت پوشیدہ ہو اور اس کا عین مجہول ہو۔

ان تعریفات سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء کے یہاں ''غرر'' میں ''جہل'' بھی شامل ہے؛ البتہ ''غرر'' عام ہے اور ''جہل'' اس کے مقابلہ میں خاص ہے۔

حضور اقدس ﷺ نے خرید وفروخت کے ایسے معاملات سے منع فرمایا ہے جس میں ''غرر'' یعنی دھوکہ و جہالت ہو؛ چنانچہ حدیث نبوی ہے: ''أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الغرر ''حضور اقدس ﷺ نے بیع غرر سے منع فرمایا —— تو اب دیکھنا یہ ہے کہ معاملات میں ''غرر و جہالت'' کن کن راہوں سے آتی ہے؟

اس سلسلہ میں امام قرافیؒ کا خیال ہے کہ ''غرر و جہالت'' حسب ذیل سات جہتوں سے واقع ہوتی ہیں؛ چنانچہ ''کتاب الفروق'' میں ہے :

الغرر والجهالة يقعان فى سبعة أشياء : فى الوجود كآباق قبل الإباق ، والحصول إن علم الوجود كالطير فى الهواء ، وفى الجنس كسلعة لم يسمها

(۱) فتح القدير:۶/۴۹

(۲) المجموع شرح المهذب للنووى:۹/۲۵۸

وفی النوع کعبد لم یسمه ، وفی المقدار کالبیع إلی مبلغ رمی الحصاة ، وفی التعیین کثوب من ثوبین مختلفین ، وفی البقاء کالثمار قبل بدو صلاحها . (۱)

کسی چیز کا موجود ہونا ہی غیر یقینی ہو، جیسے: مفرور غلام، موجود ہونا معلوم ہو؛ لیکن حصول غیر یقینی ہو، جیسے: فضا میں اڑتا ہوا پرندہ، جنس معلوم نہ ہو، جیسے: وہ سامان جس کا نام نہ لیا گیا ہو، نوع معلوم نہ ہو، جیسے: وہ غلام جس کا نام نہ لیا گیا ہو، مقدار معلوم نہ ہو، جیسے: اس مقدار کو مبیع قرار دینا جہاں پتھر پہنچے محتاجِ تعیین ہو جیسے: دو مختلف النوع کپڑوں میں سے ایک غیر متعین کپڑا فروخت کرنا، بقاء یقینی نہ ہو، جیسے: انسانی استعمال کے قابل ہونے سے پہلے پھل۔

غرر کی اقسام

غرر کی سابقہ تشریح سے واضح ہوتا ہے کہ ''غرر'' کا دائرہ اثر نہایت وسیع ہے؛ اس لئے فقہاء نے ''غرر'' کی اقسام و درجات بھی مقرر کئے ہیں اور وہ تین ہیں: (الف) غرر کثیر، (ب) غرر قلیل، یا غرر یسیر اور (ج) غرر متوسط، ذیل میں ان تینوں اقسام کے متعلق فقہاء کے اقوال و تصریحات کو مختصراً سپرد قرطاس کیا جاتا ہے :

غررِ کثیر

غرر کثیر یعنی بہت زیادہ دھوکہ و فریب کے متعلق فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ یہ جواز بیع کے لئے یکسر مانع ہے، مثلاً: فضاء میں اڑتے ہوئے پرندہ اور پانی میں موجود مچھلی کی خرید و فروخت؛ چوں کہ اس میں غرر فاحش کا قوی اندیشہ ہے؛ اس لئے یہ معاملہ شرعاً صحیح و درست اور نافذ نہ ہوگا۔

---

(۱) الفروق للقرافی: ۲۶۵/۳

غررِ قلیل

غررِ قلیل اور غررِ یسیر کے متعلق فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ یہ معاملہ کی صحت و جواز کے لئے مانع نہیں ہے، جیسے: گھر کی بنیاد، جبہ کی روئی وغیرہ کا معاملہ، چوں کہ اس میں بہت معمولی درجہ کا غرر یا اندیشۂ غرر ہے؛ اس لئے اس سے معاملات کی نفس صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

غررِ متوسط

غررِ متوسط میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے کہ یہ قسم غررِ کثیر میں داخل ہے، یا غررِ قلیل میں، ظاہر ہے کہ اس کی درجہ بندی دشوار ہی نہیں؛ بلکہ دشوار ترین ہے؛ کیوں کہ تھوڑا تھوڑا زیادہ بھی ہوجاتا ہے اور زیادہ سے کم ہوتے ہوتے قلیل بھی ہوجاتا ہے۔(۱)

''غرر'' کے سلسلہ میں امام نوویؒ کا بیان کچھ اس طرح ہے :

قال العلماء مدار البطلان بسبب الغرر ، والصحة مع وجوده على ما ذكره وهو أنه إذا دعت الحاجة إلى ارتكاب الغرر ولا يمكن الاحتراز عنه إلا بمشقة أو كان الغرر حقيراً ؛ جاز البيع وإلا لا . (۲)

غرر کے سبب کسی بیع کے باطل اور اس کے صحیح ہونے کا مدار وضاحت مذکور کی روشنی میں بقول علماء یہ ہے کہ اگر کوئی حاجت غرر کے ارتکاب کا تقاضا کرتی ہو اور مشقت کے بغیر اس سے احتراز ناممکن ہو یا غرر معمولی درجہ کا ہو تو بیع جائز ہے ورنہ نہیں۔

اور ابن قیمؒ نے اس کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے :

---

(۱) ان تینوں قسموں کو علامہ قرافیؒ نے الفروق: ۲۶۶/۳، میں بیان کیا ہے۔

(۲) المجموع شرح المهذب: ۳۵۸/۹

والغرر إذا كان يسيراً أولا يمكن الاحتراز منه ، لم يكن مانعاً من صحة العقد ..... فهذان النوعان لا يمنعان البيع بخلاف الغرر الكثير الذى يمكن الاحتراز منه ، وهو المذكور فى الأنواع التى نهى عنها رسول الله صلى الله عليه وسلم وماكان مساويا لها لا فرق بينها وبينه ، فهذا هو المانع من صحة العقد . (۱)

غرر جب معمولی ہو اور یا اس سے احتراز ناممکن ہو تو یہ معاملہ کی صحت کے لئے مانع نہیں ہے؛ البتہ غرر غیر معمولی ہو اور اس سے احتراز ممکن ہو تو یہ معاملہ کی صحت کے لئے مانع ہوگا اور یہ منجملہ ان اقسام میں سے ہے جن سے حضور اقدس ﷺ نے منع فرمایا ہے اور جو ''غرر'' ان ممنوع اقسام کے مساوی ہو، یعنی : دونوں کے درمیان کوئی فرق نہ ہو تو وہ بھی صحت کے لئے مانع ہوگا۔

غرر کثیر اور غرر قلیل کے درمیان بنیادی فرق

اب یہاں یہ وضاحت ضروری ہوگئی کہ کس درجہ کا غرر ''کثیر'' اور کس درجہ کا ''قلیل'' شمار کیا جائے گا؟ کیا اس سلسلہ میں فقہاء کے یہاں کوئی واضح اور دوٹوک صراحت ملتی ہے؟ راقم الحروف کو حتی المقدور کوشش کے باوجود اس بارے میں کوئی صراحت نہیں مل سکی؛ البتہ بعض علماء کی عبارتوں سے اس جانب کچھ اشارات ملتے ہیں، جن سے ایک حد تک زیر بحث مسئلہ کی تعیین ہوسکتی ہے، ذیل میں انھیں اشارات کو سپرد قرطاس کیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں ابن رشد مالکیؒ (م: ۵۲۰ھ) رقمطراز ہیں :

(۱) زاد المعاد: ۸۰۲/۵-۸۲۱

وهو البيع الذى يكثر فيه الغرر ويغلب عليه حتى يوصف به ؛ لأن الشئ إذا كان مترددا بين معنيين لا يوصف بأحدهما دون الآخر إلا أن يكون أخص به وأغلب عليه . (۱)

(آپ ﷺ نے جس بیع غرر سے منع فرمایا) وہ ایسی بیع ہے جس میں غرر زیادہ اور درجہ غالب میں ہو کہ بیع الغرر کے ساتھ متصف کی جاتی ہو؟ کیوں کہ جب کوئی شئ خاص دو معنوں میں دائر ہو تو وہ کسی ایک معنی کے ساتھ اس وقت تک موصوف نہیں ہو سکتی، جب تک کہ کوئی ایک معنی اس کے ساتھ خاص اور اس پر غالب نہ ہو جائے۔

علامہ شوکانیؒ امام نوویؒ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جس بیع غرر کی ممانعت آئی ہے وہ اُصولِ شرع میں سے ایک اصل ہے، جس کے ذیل میں بہت سارے مسائل آتے ہیں، پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ: ''جس چیز کو عرفاً و عادتاً معمولی تصور کیا جاتا ہو، وہ اس ممانعت سے مستثنیٰ ہے''۔(۲)

غرر کی ممانعت کی اصل وجہ بائع کا مبیع کی سپردگی پر قادر نہ ہونا، نیز مبیع و ثمن کا مجہول ہونا ہے، ظاہر ہے کہ اس کی بناء پر فریقین کے درمیان نزاع و اختلاف کا دروازہ کھلے گا؛ اس لئے جس معاملہ میں ایسا غرر ہوگا وہ درست نہ ہوگا، اس کے برخلاف ایسا غرر جو فریقین کے مابین نزاع و اختلاف کا باعث نہ بنے، وہ صحت عقد کے لئے مانع نہ ہوگا، ایسے غرر کو ''غرر قلیل'' کہا جا سکتا ہے، اس سلسلہ میں علامہ کاسانیؒ کی یہ تصریح قابل غور ہے :

فأما إن كان أحدهما مجهولا جهالة مفضية إلى

(۱) نيل الأوطار: ۱۶۶/۵-۱۶۷

(۲) نيل الأوطار: ۱۶۶/۵-۱۶۷

المنازعة فسد البيع وإن كان مجهولا جهالة لا تقضى إلى المنازعة لا يفسد الخ . (۱)

اگر مبیع وثمن میں سے کسی ایک میں بھی ایسی جہالت ہو جو باعث نزاع بن سکتی ہو تو بیع فاسد ہوگی، اس کے برخلاف جہالت اگر باعث نزاع نہ ہو تو بیع فاسد نہ ہوگی۔

غرر کثیر اور غرر قلیل کے سلسلہ میں حضرت الاستاذ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی حفظہ اللہ ورعاہ رقمطراز ہیں :

کسی چیز کے قابل قبول ہونے میں عرف ورواج کو بڑا دخل ہے؛ بلکہ بعض احکام تو ایسے ہیں جن میں عرف ورواج نص صریح کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے اور یہ امر نزاع کو روکنے کا ایک ذریعہ بن جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے ایسی شرط فاسد کو معاملۂ خرید وفروخت کے درست ہونے میں مانع نہیں سمجھا ہے، جس نے معاشرہ میں معمول و رواج کا درجہ حاصل کرلیا ہو، بشرطیکہ وہ خلاف شرع نہ ہو۔

پس جس طرح ایسی جہالت جو باعث نزاع نہ ہو، وہ ''معمولی درجہ کی جہالت'' ہے اور عقد کی صحت کے لئے مانع نہیں ہے اور جس طرح ایسی جہالت جو ''مفضی الی النزاع'' ہو وہ ''جہل فاحش'' ہے اور وہ فسادِ عقد کا باعث ہے، اسی طرح جو ''غرر'' نزاع کا باعث بن سکتا ہو یا جو دوسرے فریق کے لئے ناقابل تحمل ہو، اس کو ''غرر کثیر'' شمار کیا جائے گا اور وہ صحت عقد کے لئے مانع ہوگا اور جو ''غرر'' عام طور پر باعث

(۱) بدائع الصنائع: ۳۶۵/۴-۳۶۶

نزاع نہ ہوتو سمجھنا چاہئے کہ وہ ''غرر قلیل'' ہے جو صحت عقد کے
لئے مانع نہیں ہے۔(۱)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ''تکملة فتح الملهم شرح مسلم'' میں ''غرر یسیر'' کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

جس قدر غرر ''مفضی الی النزاع'' نہ ہو اور عام حالات میں اس
سے بچنا دشوار ہو تو ایسا غرر صحتِ عقد کے لئے مانع نہیں ہے۔(۲)

اسی طرح علامہ نوویؒ فرماتے ہیں: ''غرر یسیر'' کے بعض مسائل کے جائز ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔(۳)

غرر یسیر کے چند نمونے

''غرر یسیر'' اور ''غرر قلیل'' ہمارے زمانہ کے بہت سے معاملہ میں پایا جاتا ہے، مگر چوں کہ اس کو عرف میں غرر اور باعث نزاع نہیں سمجھا جاتا ہے، مثلاً: بڑے بڑے ہوٹلوں میں بڑے بڑے برتنوں میں مختلف قسم کے کھانے اور مشروبات دیئے جاتے ہیں، کھانے والے کو اختیار ہے کہ جو چاہے اور جتنا چاہے کھائے؛ لیکن سب کو قیمت برابر دینی پڑتی ہے، کم کھانے والے کو بھی اور زیادہ کھانے والے کو بھی؛ چوں کہ یہی عرف ہے؛ اس لئے کوئی جھگڑا نہیں ہوتا۔

کچھ یہی حال بعض جگہوں کے بس کے کرایہ کا بھی ہے؛ چنانچہ ایک اسٹاپ (Stop) سے دوسرے اسٹاپ تک بس کے کرایہ مثلاً: چار روپے ہے تو یہی دو تین اسٹاپ تک کا کرایہ ہے، اسی طرح پورے چوبیس گھنٹے کے لئے بس کا ٹکٹ مثلاً چالیس روپے میں ملتا ہے اور اس ٹکٹ کے ذریعہ دن بھر جہاں چاہے جتنی بار چاہے بس کے ذریعہ سفر

(۱) مستفاد از: جدید فقہی مسائل: ۲۱۱/۴

(۲) تكمله فتح القدير: ۳۳۰/۱

(۳) المجموع شرح المذهب للنووي: ۲۵۸/۹

کر سکتے ہیں اور اسی طرح مہینہ بھر کے لئے بس کا ٹکٹ پانچ سو روپے میں ملتا ہے، اس ٹکٹ کے ذریعہ ایک مہینہ کے اندر اندر بس کے سفر کے لئے مزید کچھ روپیہ دینا نہیں پڑتا ہے۔

قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ بوجہ غرر ایسا طریقہ جائز نہیں ہونا چاہئے، مگر چوں کہ عرف میں اس کو غرر شمار نہیں کیا جاتا ہے؛ اس لئے ایسے معاملات جائز سمجھے جائیں گے؛ کیوں کہ عرف وعادت کا اختلاف احکام کی تبدیلی میں مؤثر ہوا کرتا ہے۔

اس کی تائید حضرت شاہ ولی اللہؒ (۱۱۱۴-۱۱۷۶ھ) کے اس قول سے بھی ہوتی ہے :

وما كان جهالة تفسد البيع فإن كثيراً من الأمور يترك في البيع ، واشتراط الاستقصاء ضرر ولكن المفسد هو مفضي إلى النزاع . (۱)

ہر جہالت بیع کو فاسد نہیں کرتی؛ اس لئے کہ بیع میں بہت سے اُمور مبہم ہی چھوڑ دیئے جاتے ہیں اور تمام اُمور بتانے کی پابندی میں ضرر ہے؛ اس لئے مفسدِ بیع وہی ہے جو جھگڑے کا باعث بنتی ہو۔

ان تصریحات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جس معاملہ میں عرف وعادت کے اعتبار سے ''غرر'' نزاع کا باعث ہو وہ ''غرر کثیر'' شمار ہوگا اور جوا کی وجہ سے معاملہ درست نہیں ہوگا اور جس معاملہ میں معمولی درجہ کا غرر ہو، یعنی وہ نزاع کا باعث نہ ہو تو اس کو ''غرر قلیل'' شمار کیا جائے گا اور وہ صحتِ عقد کے لئے مانع نہ ہوگا۔

بیع مخاطرہ

مخاطرہ کا مطلب ہے نفع وضرر کے درمیان دائرہ ہونا، یعنی یہ بھی احتمال ہو کہ بہت سا مال مل جائے اور یہ بھی احتمال ہو کہ کچھ بھی نہ ملے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''المخاطرة من القمار ''یعنی ''مخاطرہ جوا میں سے ہے'' زمانۂ جاہلیت میں لوگ

(۱) حجۃ اللہ البالغہ مع اُردو ترجمہ: ۲/۲۶۷

اپنے پورے خاندان کو داؤ پر لگاتے تھے، جو بھی اس میں ہار جاتا اس کی بیوی، بچے سب چلے جاتے اور اس کے بعد وہ پوری زندگی غم وغصہ سے عبارت ہو جاتی۔

زمانہ جاہلیت میں اس کی بازی لگانے کا عام رواج تھا؛ اس لئے جوا کی حرمت سے پہلے مکہ مکرمہ میں جب سورۂ روم کی آیات ''الٓمّٓ ، غُلِبَتِ الرُّوْمُ الخ''(۱) نازل ہوئیں اور قرآن نے یہ خبر دی کہ اس وقت روم اگر چہ اپنے حریف کسریٰ سے مغلوب ہو گیا ہے؛ لیکن چند سال بعد پھر رومی غالب آجائیں گے، مگر مشرکین مکہ نے اس کا انکار کیا، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے شرط لگائی کہ اگر اتنے سال میں رومی غالب آگئے تو اتنا مال تمہیں دینا پڑے گا اور اگر رومی غالب نہیں آئیں گے، تو اتنا مال میں تم کو دوں گا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: '' زد فی الخطر و أبعد الأجل''یعنی تاریخ کی توسیع کرو اور داؤ بڑھاؤ، پھر جب یہ واقعہ قرآن کی خبر کے مطابق پیش آیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ مال وصول کیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسرت کا اظہار فرمایا، مگر مال کو صدقہ کرنے کا حکم دیا، (۲) پس جو چیز آئندہ حرام ہونے والی تھی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور بہت سے اصحاب رسول کو حلال ہونے کے زمانہ میں بھی اس سے محفوظ فرمادیا تھا اور اس کے بعد سورۂ مائدہ والی آیت: ''إنما الخمر و المیسر ..... ''(۳) نازل ہوئی تو اس طرح کا داؤ لگانا حرام قرار دے دیا گیا۔

اس لئے جس عقد سے شئ کے ملک میں آنے نہ آنے دونوں کا احتمال ہو اور اسی بناء پر نفع خالص یا تاوانِ خالص برداشت کرنے کی دونوں جہت برابر ہو تو ایسا عقد اور ایسا معاملہ ناجائز وحرام اور باطل قرار پائے گا، قرآن وحدیث میں ایسے معاملات کی ممانعت وحرمت صراحتاً وارد ہوئی ہے۔

---

(۱) الروم:۱-۲

(۲) أحکام القرآن للجصاص:۱/۳۹۹

(۳) المائدۃ:۹۰-۹۱

بیع حصاۃ

زمانہ جاہلیت میں ''بیع الحصاۃ'' یعنی کنکر پھینک کر خرید وفروخت کرنے کا بھی رواج تھا، آپ ﷺ نے اس طریقہ سے خرید وفروخت کرنے سے منع فرمایا ہے؛ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع الحصاة . (۱)

حضور اقدس ﷺ نے '' بیع الحصاۃ'' (کنکر پھینک کر خرید وفروخت کرنے) سے منع فرمایا ہے۔

''بیع حصاۃ'' کیا ہے؟ علامہ ابن قیم جوزیؒ (۶۹۱-۷۵۱ھ) نے ''زادالمعاد'' میں اس کی کچھ صورتوں کو بیان کیا ہے :

۱- بیچنے والے نے خریدار کو کہا کہ: تم اس کنکر کو پھینکو! یہ جس کپڑے پر پڑے وہ بہ عوض ایک درہم تیرا ہے۔(۲)

۲- کسی زمین کو کنکر پھینک کر بیچنا کہ کنکری جہاں تک پہنچ جائے وہاں تک اتنی قیمت مثلاً: ایک ہزار روپئے کے عوض بیچتا ہوں۔

۳- ہتھیلی میں کنکریاں لے کر یوں کہے کہ میرے ہاتھ میں جتنی کنکریاں ہیں، اتنی ہی مبیع یا سامان میرا ہوگا۔

۴- پتھر مٹھی میں لے کر یوں کہے کہ میرے لئے ہر پتھر کے عوض ایک درہم ہے۔

۵- بائع ومشتری میں سے کسی ایک نے اپنے ہاتھ میں کنکری لے لی اور یوں

---

(۱) صحيح مسلم ، كتاب البيوع، باب بطلان بيع الحصاة والبيع الذى فيه غرر ،حدیث نمبر: ۳۸۸۱، سنن الترمذى ، كتاب البيوع ، باب بيع الحصاة ،حدیث نمبر:۴۵۳۵،سنن ابن ماجة ، كتاب التجارات ، باب النهي عن بيع الحصة وعن بيع الغرر ،حدیث نمبر:۲۲۷۸،دار قطنى :۱۲/۲، حدیث نمبر:۲۸۱۸،سنن دارمى:۲۹/۲،حدیث نمبر:۲۵۶۶

(۲) زاد المعاد:۸۱۷/۵،إعلاء السنن:۱۲۷/۱۴،فتح القدير:۵۵/۶،ردالمحتار:۲۵۵/۷،نيل الأوطار: ۱۶۶/۵،المغنى:۲۹۸/۶

کہا کہ جب یہ کنکری نیچے گرے گی، تب بیع منعقد ہوگی۔(۱)

۶- دورانِ خرید وفروخت یوں کہے کہ جب تمہاری طرف کنکری پھینک دی جائے تو بیع منعقد ہوجائے گی، یعنی ایجاب وقبول کے بجائے محض کنکر پھینکنا ہی بیع کے منعقد ہونے کے لئے کافی ہوگی۔(۲)

۷- بائع نے بکریوں کا ریوڑ پیش کیا، اس کے بعد اپنے ہاتھ میں کنکریاں لیں اور کہا کہ جس بکری پر یہ کنکر پڑے گا، وہ تمہارے لئے بہ عوض ایک درہم ہوگی۔(۳)

۸- کنکر پھینکے جانے تک خیار کی شرط لگانا، یعنی یوں کہنا: کہ ہم فریقین کو بیع کے قبول ورد کا اختیار ہوگا؛ تا آں کہ کنکر نہ پھینک دیا جائے۔

۹- محض کنکر پھینک دیئے جانے کو بیع قرار دیا جائے۔(۴)

مذکورہ بالا شکلوں سے ''بیع الحصاۃ'' کی حقیقت بالکل کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ''بیع حصاۃ'' نام ہے خرید وفروخت کے معاملہ کو کسی نہ کسی طریقہ سے کنکری پر موقوف رکھنے کا۔

بیع حصاۃ کا ایک مروجہ طریقہ

آج کل نمائشوں، میلہ وغیرہ میں کچھ لوگ ٹیبل پر قیمتی اور سستا سامان ترتیب سے رکھ دیتے ہیں اور لکڑی سے بنی ہوئی گول فریم کو ٹیبل پر سجے ہوئے سامانوں پر پھینکنے کا حق بہت کم قیمت پر دیا جاتا ہے، پھر جو بھی سامان اس فریم میں پھنس جاتا ہے، وہ پھینکنے والے کو

---

(۱) زاد المعاد:۵/۸۱۷،الشرح الکبیر:۱۱/۱۱۳،ابن تیمیہ:۲۹/۴۲۷،إعلاء السنن:۱۴/۱۲۷، مقدمات ابن رشد:۳/۲۰۸،بدایۃ المجتہد:۲/۱۴۸

(۲) زاد المعاد:۵/۸۱۷،الشرح الکبیر:۱۱/۱۱۳،ابن تیمیہ:۲۹/۴۲۷،إعلاء السنن:۱۴/۱۲۷ ،مقدمات ابن رشد:۳/۲۰۸،بدایۃ المجتہد:۲/۱۴۸

(۳) زاد المعاد:۵/۸۱۷،إعلاء السنن:۱۴/۱۲۷،فتاویٰ ابن تیمیہ:۲۹/۴۲۷

(۴) نیل الأوطار:۵/۱۶۶

مل جاتا ہے اور اگر اس میں کوئی سامان نہیں پھنستا ہے تو اس کو کچھ نہیں ملتا، اسی طرح اور بھی بہت سے طریقے ہیں، جو فی زمانہ رائج ہیں، ظاہر ہے کہ یہ طریقے بھی ''بیع الحصاۃ'' ہی کے دائرہ میں آتے ہیں، جس کی حدیث شریف میں ممانعت آئی ہے؛ اس لئے ان طریقوں سے معاملہ کرنا ممنوع وحرام قرار پائے گا۔

بیع حصاۃ کے باطل ہونے کی چند وجوہ

''بیع حصاہ'' کی ممانعت کی اصل وجہ اس میں ''قمار'' یعنی جوئے اور غرر وخطر کا پایا جانا ہے؛ چنانچہ علامہ ابن قیمؒ نے ''بیع الحصاۃ'' کی مذکورہ قسموں کو ذکر کرکے فرمایا ہے :

وهذه الصور كلها فاسد لما تضمنه من أكل المال بالباطل ، ومن الغرر والخطر الذى هو شبيه بالقمار . (۱)

یہ تمام صورتیں باطل ہیں (ان طریقوں کے اختیار کرنے سے بیع درست نہیں ہوگی)؛ کیوں کہ اس میں دوسرے کے مال کو باطل طریقہ سے کھانا (حاصل کرنا) ہے، نیز اس میں غرر وخطر اور قمار کی آمیزش پائی جاتی ہے۔

ابن رشد مالکیؒ (۵۲۰-۵۹۰ھ) نے بھی ''بیع حصاۃ'' کی چند صورتیں بیان کرکے فرمایا ہے کہ ''یہ قمار ہے'' (۲) اسی طرح علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ (۵۹۷-۶۸۲ھ) نے بھی اس کی تمام صورتوں کو بوجہ غرر وجہل ناجائز وحرام قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں: ''لما فيها من الغرر والجهل ، ولا نعلم فيه خلافاً'' (۳) علامہ ابن ہمامؒ، علامہ حصکفیؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے یہاں بھی قمار کی وجہ سے بیع حصاۃ کی ممانعت کی

(۱) زاد المعاد فى هدى خير العباد:۸۱۸/۵

(۲) بداية المجتهد ونهاية المقتصد:۱۴۸/۲

(۳) المغنى:۲۹۸/۶،الشرح الكبير:۱۱۲/۱۱-۱۱۳

صراحت ملتی ہے۔(۱)

بیع ملامسہ

''ملامسہ'' کے لغوی معنی 'چھونے' کے ہیں، اس کا اصطلاحی مفہوم بھی قریب قریب یہی ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بہت سی چیزیں رکھی ہوئی ہوں، ایک شخص ان میں سے کسی ایک چیز کو چھودے یا اس پر ہاتھ رکھ دے، یا یوں کہہ دے کہ میرا ہاتھ جس چیز پر پڑ جائے وہ میری ہے، اس طرح کے معاملہ کو فقہ کی اصطلاح میں ''بیع ملامسہ'' کہا جاتا ہے، اس طرح کے معاملات سے حضور اقدس ﷺ نے منع فرمایا ہے :

أخبره أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى ...

وعن بيع الملامسة . (۲)

کتبِ فقہ اور شروح حدیث میں ''بیع ملامسہ'' کی توضیح وتفصیل موجود ہے، ذیل میں کچھ اقتباسات سپردِ قرطاس کرنے کے ساتھ ساتھ ایسے معاملات کو بھی بیان کیا جاتا ہے، جو ملامسہ کے دائرہ میں آتے ہیں اور موجودہ زمانہ میں مروج ہیں، جن کا اطلاق ملامسہ ہی کے ضمن میں آتا ہے۔

امام شافعیؒ کی تشریح اور موجودہ دور میں قمار کی بعض مروج صورتیں

بائع نے رات کے اندھیرے میں یا لپیٹے ہوئے کپڑے کو مشتری کے سامنے رکھا یا پھر یوں کہا: اس شرط کے ساتھ تم سے یہ کپڑا بیچتا ہوں کہ اپنے سامنے والے حصہ کو جب چھولوگے یا جب (روشنی میں یا کپڑا پھیلانے کے بعد) کپڑا دیکھ لوگے تو تمہارے لئے

(۱) دیکھئے:فتح القدیر:۶/۵۵،ردالمحتار:۷/۲۵۵،الدر المختار علی هامش رد المحتار :۷/۲۵۵، ط: مکتبہ زکریا، دیوبند،حجة الله البالغة:۲/۲۳۶

(۲) صحيح البخاری ، كتاب البيوع ، باب بيع الملامسة ،حدیث نمبر:۲۱۴۴،صحيح مسلم ، كتاب البيوع ، باب إبطال بيع الملامسة والمنابذة ،حدیث نمبر:۳۸۷۴،سنن النسائی ، كتاب البيوع ، باب بيع الملامسة ، ،حدیث نمبر:۴۵۲۶

''خیارِ رؤیت'' باقی نہیں رہے گا، یہ علامہ شوکانیؒ نے امام نوویؒ کے حوالہ سے امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے۔(۱)

اسی طرح علامہ بدرالدین عینیؒ (م:۸۵۵ھ) نے ''عمدۃ القاری شرح البخاری'' میں (۲) اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے ''بذل المجهود'' میں بیان کیا ہے۔(۳)

یہی مفہوم حدیث میں بھی آیا ہے؛ چنانچہ مصنف عبدالرزاق میں حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے'' بیچنے والا اور خریدنے والا بلا ایجاب وقبول کے صرف لمس سے بیع کو مقرر کرلے'' اس کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی اپنا کپڑا دوسرے آدمی کی طرف پھینک دے اور دوسرا آدمی بھی اپنا کپڑا پہلے آدمی کی طرف پھینک دے اور دونوں آپس میں یہ طے کرلیں کہ جب میں تمہارے کپڑے کو چھولوں اور تم میرے کپڑے کو چھولو تو بیع لازم ہوجائے گی،(۴) پس خلاصہ یہ ہے کہ بیع ملامسہ کی تعریف یہ ہے کہ یہ خرید وفروخت کو بلا ایجاب وقبول کے کسی شرط پر معلق رکھنے کا نام ہے۔(۵)

آج کل بازاروں، نمائشوں اور میلوں میں بند ڈبے فروخت کئے جاتے ہیں، کسی میں ایک پیسہ کا بھی مال نہیں ہوتا اور کسی میں بہت سا مال ہوتا ہے، لوگ اس میں قسمت آزمائی کرتے ہیں، یہ صورت اس سے پوری طرح مشابہ ہے۔

اسی طرح بہت سے کپڑے کے کارخانوں اور بڑی بڑی دکانوں میں یہ رائج ہے کہ

---

(۱) نيل الأوطار:۱۶۹/۵،تكملة فتح الملهم لمفتی تقی عثمانی ، ردالمحتار :۲۵۵/۷،إعلاء السنن:۱۳۱/۱۴

(۲) عمدة القاری:۲۶۷/۱۱،دار الفكر۔

(۳) بذل المجهود:۲۵۱/۴

(۴) تكملة فتح الملهم:۳۱۵/۱،بذل المجهود:۲۵۱/۴،نيل الأوطار:۱۶۹/۵

(۵) نيل الأوطار:۱۶۹/۵،نیز دیکھئے:تكملة فتح الملهم :۳۱۵/۱،بذل المجهود:۲۵۱/۴،إعلاء السنن : ۱۳۱/۱۴،المغنی:۲۹۸/۶،المقنع:۱۱۲/۱۱،زاد المعاد:۸۱۹/۵

سال ختم ہونے کے بعد جو پرانے کپڑے بچ جاتے ہیں، ان سب کو بڑے بڑے ڈبوں میں بند کر لیتے ہیں اور ان میں سے کچھ میں بہت اچھے اور قیمتی سامان بھی بطور ترغیب ڈال دیتے ہیں اور کچھ میں کوئی سامان نہیں ڈالتے؛ بلکہ ان میں گھٹیا قسم کے کپڑے ہوتے ہیں، یعنی کچھ میں اچھے اچھے کپڑے اور کچھ میں بالکل ہی خراب قسم کے کپڑے ہوتے ہیں، پھر ان سب کو برابر قیمت پر بیچا جاتا ہے، جب کہ بعض کو بالکل خسارہ ونقصان اٹھانا پڑتا ہے؛ حالاں کہ کارخانے والے یا دوکانداروں کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، یہ بھی جوا میں داخل ہے۔

آج کل بہت سے تاجروں کا رواج ہے کہ وہ اپنے سامان کو دوسرے کے سامان سے بلا دیکھے تبادلہ کر لیتے ہیں، مثلاً: ایک تاجر اپنے سامان کا تبادلہ دوسرے شہر یا دوسرے محلّہ وعلاقہ میں رہنے والے شخص کے سامان کے ساتھ کر لیتا ہے؛ حالاں کہ دونوں نے ایک دوسرے کے سامان (یعنی مبیع) کو دیکھا تک نہیں ہے، جس کی وجہ سے بعد میں چل کر نزاع واختلاف ہو جاتا ہے کہ میں نے فلاں چیز فلاں کوالٹی کا کہا تھا؛ لیکن تم نے خراب چیز یا خراب کوالٹی کا سامان دے دیا وغیرہ وغیرہ؛ لہٰذا مذکورہ طریقے سے عقد درست نہ ہوگا، دوسری خرابی یہ ہے کہ فریقین میں سے کسی ایک نے دوسرے کے سامان کو دیکھا تک نہیں؛ بلکہ اندازہ سے سودا کر لیا، ظاہر ہے کہ اس اٹکل پچو میں جہاں فائدہ کا احتمال ہے، وہیں نقصان کا بھی برابر درجے کا احتمال ہے اور یہ شرعاً قمار اور خطر کے حکم میں ہے، جو ناجائز و حرام ہے۔

ملامسہ کے باطل ہونے کی چند وجوہ

ملامسہ اور اس کی مشابہ کی مذکورہ بالا صورتیں ناجائز وحرام ہیں، ایک تو اس لئے کہ اس میں ''غرر'' یعنی دھوکہ دہی ہے؛ کیوں کہ ''بیع ملامسہ'' کے بعد مبیع کے خراب ہونے کا امکان ہے، اس کے باوجود خیار رؤیت اور خیار عیب حاصل نہیں ہوتا، ظاہر ہے کہ یہ ایک طرح کی دھوکہ دہی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں ''خطر'' ہے؛ کیوں کہ خرید وفروخت کرنے والے کو یہ خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ مبیع اچھا نکلے گا یا نہیں؟ فائدہ ہوگا یا نقصان؟

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس میں جہالت پائی جاتی ہے؛ کیوں کہ اس میں نہ تو مبیع کی اصلیت معلوم ہوتی ہے، نہ مقدار معلوم ہوتی ہے، نہ جنس معلوم ہوتی ہے اور نہ ہی صفت معلوم ہوتی ہے؛ اس لئے یہ ناجائز ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس میں خیارِ مجلس اور خیارِ عیب وغیرہ شرط کو ختم کردیا جاتا ہے، جب کہ یہ ایسا خیار ہے جو فریقین کو شارع کی جانب سے ملا ہے؛ لہٰذا بیع ملامسہ مذکورہ وجوہات کی بناء پر ناجائز وباطل ہوگی۔

ملامسہ کے سلسلہ میں فقہاء کی رائے

''ملامسہ'' کے ناجائز وحرام ہونے کی فقہاء نے مختلف وجوہ لکھی ہیں، علامہ شوکانیؒ بعض ائمہ مقبولین کے مذہب کی ترجمانی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :

والعلة فی النهی عن الملامسة والمنابذة الغرر والجهالة وإبطال خيار المجلس . (۱)

اسی طرح علامہ ابن قدامہ مقدسیؒ نے بھی دو وجوہات بیان کی ہیں :

لا يصح البيع فيهما لعلتين : إحداهما الجهالة ، والثانية كونه معلقاً على شرط . (۲)

ان دونوں (یعنی منابذہ اور ملامسہ) سے ممانعت کی دو وجہیں ہیں، ایک تو اس میں جہالت ہے، دوسرے اس میں عقد کو کسی شرط پر معلق کیا جاتا ہے۔

علامہ ابن قیم جوزی حنبلیؒ نے لکھا ہے :

(۱) نيل الأوطار:۵/۱۷۰

(۲) المغنی:۶/۲۹۸

والغرر فی ذلک ظاهر ، وليس العلة تعليق البيع على شرط ؛ بل ما تضمنه من الخطر والغرر . (۱)

بیع ملامسہ میں غرر کا پایا جانا تو ظاہر ہے؛ البتہ اس کے صحیح نہ ہونے کی وجہ عقد کو کسی شرط پر معلق کرنا نہیں ہے؛ بلکہ اس میں خطر وغرر پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ ممنوع ہے۔

پس ملامسہ کے حرام ہونے کی اس وجہ پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ اس میں جوا کا معنی پایا جانا ہے، جیسا کہ علامہ شوکانیؒ نے ''ملامسہ'' وغیرہ کی تفصیل بیان کرنے کے بعد فرمایا: ''فهذا من أبواب القمار ''(۲) یہی بات شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۳) اور علامہ عینیؒ نے بھی لکھی ہے۔(۴)

بیع منابذہ

زمانۂ جاہلیت کی بہت سی رسوم میں سے ایک رسم ''بیع منابذہ'' کی بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک طرف تو متعین رقم یا متعین جنس ہو اور دوسری طرف غیر متعین رقم یا غیر متعین جنس، مثلاً کسی نے یوں کہا کہ اس باغ کا پھل میں نے اس شرط پر بیچا کہ اس میں پانچ ہزار پھل سے جتنے زیادہ ہوں گے وہ سب میرے ہوں گے اور اگر پانچ ہزار پھل سے کم ہوں گے تو اس کی ذمہ داری تم پر ہوگی، خواہ ایسا خریدار نے کہا ہو، یا بائع نے، اس طرح سے خرید وفروخت کرنے کو ''بیع منابذہ'' کہتے ہیں، کتبِ فقہ میں اس کی تعبیر ان لفظوں میں کی گئی ہے :

---

(۱) زاد المعاد:۲۸۰/۵

(۲) نيل الأوطار:۱۶۹/۵

(۳) حجة الله البالغة مع اُردو ترجمہ:۲۶۳/۲

(۴) عمدة القاری لعینی:۲۶۷/۱۱، دارالفکر بیروت، إعلاء السنن:۱۳۲/۱۴

والمنابذة أن يقول : أى ثوب نبذته إليَّ فقد اشتريته بكذا . (۱)

جو کپڑا بھی تم میری جانب پھینکو گے اس کو میں اتنی رقم کے عوض خریدتا ہوں۔

یعنی خرید وفروخت کے معاملہ میں مبیع کو دیکھے بغیر ایجاب وقبول کے بغیر سامانِ مبیع ایک دوسرے کو پھینک دینے کے بعد خیارِ مجلس کو ختم کر کے اس کو طوعاً وکرہاً خریدنا، یا بیچنا ہوگا، یہی منابذہ کی تعریف ہے، (۲) آپ ﷺ نے اس طریقہ سے خرید وفروخت کرنے کو ممنوع قرار دیا ہے؛ چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے :

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن المنابذة وهى طرح الرجل ثوبه بالبيع إلى الرجل قبل أن يقلبه أو ينظر إليه ..... . (۳)

حضور اقدس ﷺ نے منابذہ سے منع فرمایا اور وہ یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کے طرف اپنا کپڑا (سامانِ مبیع) بلا دیکھے بھالے یا بلا کھولے پھینک کر تجارت کرے۔

''منابذہ'' کے عدم جواز کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ ایسا عقد ہے جو ''مفضی الی النزاع'' ہے، جو معاملہ کے درست ہونے میں مانع ہے؛ اس لئے یہ صورت ناجائز ہوگی۔

---

(۱) المغنى :۲۹۸/۶،زاد المعاد:۸۲۰/۵،المقنع مع الشرح الكبير :۱۱۲/۱۱،ردالمحتار:۲۵۵/۷، نيل الأوطار:۱۶۹۵

(۲) نيل الأوطار:۵/نیز دیکھئے:تكملة فتح الملهم:۳۱۵/۱۱،ردالمحتار:۲۵۵/۷

(۳) صحيح البخارى ، كتاب البيوع ، باب بيع الملامسة ،حدیث نمبر:۲۱۴۴،صحيح مسلم ، كتاب البيوع ، باب إبطال بيع الملامسة والمنابذة ،حدیث نمبر:۳۸۷۴،سنن النسائى ، كتاب البيوع ، باب بيع الملامسة ، ،حدیث نمبر:۴۵۲۶

ایک غلط فہمی کا ازالہ

یہاں یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ نقصان و فائدہ کا امکان تو خرید وفروخت میں بھی ہوتا ہے، جس کی وجہ سے خرید وفروخت بھی غرر وخطر کے قبیل سے ہوگیا اور اس کی وجہ سے تمام تجارت کو ناجائز ہونا چاہئے؛ کیوں کہ یہ خیال صحیح نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام تجارتوں کا اصل معاملہ بخت واتفاق پر مبنی نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ اس میں تجارت کرنے والوں کا فائدہ بالکل متعین ہوتا ہے؛ کیوں کہ تجارت کرنے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سامان مارکیٹ میں کتنے بھاؤ کا ہے اور اس کو کتنے سے خرید کر کتنے سے بیچیں گے تو کیا فائدہ ہوگا؟ اسی کے مطابق وہ معاملہ کرتے ہیں، اسی وجہ سے ان کا فائدہ بالکل متعین ہوتا ہے، خصوصاً آج کل کمپنیوں سے جو جو سامان تیار ہوکر آتا ہے، اس میں کمپنی والے دکانداروں کے لئے کافی مقدار میں ڈسکاؤنٹ رکھتے ہیں، مثلاً: ایک روپیہ سے لے کر دو روپے میں بیچنے کو کہا جاتا ہے، جب کہ منابذہ وغیرہ کی صورتوں میں اصل معاملہ ہی بخت واتفاق پر مبنی ہوتا ہے۔

بیع منابذہ کے فاسد ہونے کی وجوہ

بیع منابذہ میں شرعی نقطۂ نظر سے ایک خرابی تو غرر ہے، دوسری: خطر، تیسری: جہالت اور چوتھی: بیع کے انعقاد کو غیر شرعی شرط پر معلق رکھنا، ان سب کی تفصیلات پہلے آچکی ہیں، نیز منابذہ کی تمام صورتوں میں قمار کی مشابہت بھی پائی جاتی ہے؛ چنانچہ علامہ بدرالدین عینیؒ (م:۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

وهذان البيعان أى الملامسة والمنابذة عند جماعة العلماء من بيع الغرر والقمار. (۱)

تمام علماء (فقہاء) کے نزدیک یہ دونوں، بیع یعنی ملامسہ اور منابذہ، بیع غرر اور قمار میں سے ہیں۔

(۱) عمدة القاری فی شرح البخاری:۱۱/۲۶۷

علامہ شوکانیؒ بھی اسی کے قائل ہیں: ''فهذا من أبواب القمار ''(۱) حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بھی بیع منابذہ اور اس جیسی بیع کی ممانعت کی وجہ قمار کو بتایا ہے :

فهذه البيوع فيها معنى الميسر . (۲)

ان سب تجارتوں میں ''میسر'' قمار کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

علامہ علاء الدین حصکفیؒ (۱۰۲۵-۱۰۸۸ھ) نے بھی اس کی ممانعت کی وجہ قمار ہی بتائی ہے۔(۳)

حمل کے حمل کی بیع

زمانہ جاہلیت کے طریقہ ہائے تجارت میں سے ایک طریقہ ''بیع حبل الحبلہ'' بھی تھا، حضور اقدس ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے :

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع حبل الحبلة . (۴)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع حبل الحبلہ سے منع فرمایا۔

''بیع حبل الحبلہ'' کی مختلف صورتیں ذکر کی گئی ہیں، جنھیں ذیل میں نمبروار بیان کیا جاتا ہے :

۱) حاملہ اونٹنی (جانور) کے بچہ کے بچہ (جس کے وجود میں آنے کے لئے ایک مدت درکار ہے اور وہ بھی یقینی نہیں) پیدا ہونے کو بہ طور مدت مقرر کرنا:

---

(۱) نيل الأوطار: ۱۶۹/۵

(۲) حجة الله البالغة مع اُردو ترجمہ: ۲۶۳/۲

(۳) الدر المختار على هامش رد المحتار: ۲۵۵/۷-۲۵۶

(۴) صحيح البخاری كتاب البيوع ، باب بيع الغرر و حبل الحبلة ، حديث نمبر : ۲۱۴۳ ، صحیح مسلم ،حدیث نمبر: ۳۸۸۲

"وكان بيعًا يتاع أهل الجاهلية ، كان الجل يتاع الجزور إلى أن تنتج الناقة ثم تنتج التى فى بطنها". (۱)

۲) حاملہ اونٹنی کو بچہ کے بغیر بیچنا، یعنی حاملہ اونٹنی کو تو بیچ دیا جائے؛ لیکن بچہ کا استثناء کرلیا جائے کہ جب بچہ پیدا ہوتو اسے لوٹانا پڑے گا، یہ قول امام مسلم نے نافع سے نقل کیا ہے (۲) اور یہی امام مالکؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ کا مختار قول ہے۔ (۳)

۳) حاملہ اونٹنی (جانور) کے بچہ کو ماں کے بغیر دورانِ حمل ہی فروخت کردیا جائے۔

۴) چوتھا قول یہ ہے کہ جانور سے جتنے بھی بچے پیدا ہوں گے ان سب کو کسی متعینہ اور نقد رقم کے عوض بیچنا، یا یہ کہ ایک متعین جانور کے متعین بچے سے جتنے بچے پیدا ہوں گے ان سب کو ایک متعینہ اور نقد رقم کے عوض فروخت کرنا۔ (۴)

حبل الحبلہ کی مذکورہ چاروں صورتیں ناجائز وحرام ہیں؛ کیوں کہ ان تمام صورتوں میں ایک تو جہالت پائی جاتی ہے، دوسرے: یہ معدوم شی کی بیع ہے، تیسرے: اس میں غرر اور قمار کی جہت بھی پائی جاتی ہے، خاص طور پر چوتھی صورت میں۔

بعض اور صورتیں

اسی طرح حضور اقدس ﷺ نے "بيع المجر" سے بھی منع فرمایا ہے (۵) اور حدیث

(۱) بخاری: ۲۸۷/۱، باب بيع الغرر و حبل الحبلة ، نصب الراية: ۱۷۴/۲، اعلاء السنن: ۱۲۵/۱۴، تكمله فتح الملهم: ۳۲۲/۱، مقدمات ابن رشد على هامش المدونة الكبرىٰ: ۲۰۸/۳

(۲) صحيح مسلم ، كتاب البيوع ، باب تحريم بيع الحبل الحبلة ، حديث نمبر: ۳۸۸۳

(۳) مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح: ۷۸/۶، مجمع الزوائد: ۱۸۸/۴، تكملة فتح الملهم: ۳۲۲/۱

(۴) مرقاة المفاتيح: ۷۸/۶، تكملة فتح الملهم: ۳۲۲/۱

(۵) مجمع الزوائد: ۱۴۳/۴، حديث نمبر: ۶۳۵۷، عن عبدالله بن عمر رضى الله عنهما۔

شریف میں ہی ''مجر'' کی تفسیر بھی کردی گئی ہے: ''ما فی الأرحام ''(۱) یعنی رحم میں موجود جانور کو ''مجر'' کہا جاتا ہے۔

اسی طرح ''مضامین'' اور ''ملاقیح'' کی خرید وفروخت سے بھی حضور اقدس ﷺ نے منع فرمایا ہے۔(۲)

مضامین کا معنی ہے مادہ جانور کے پیٹ میں موجود بچہ اور ملاقیح کا معنی ہے نر جانور کی پشت میں موجود بچہ جو جرثومہ کی شکل میں ہوتا ہے، جب کہ بعض فقہاء ومحدثین نے اس کے برعکس معنی بھی بیان کیا، چنانچہ علامہ ابن رشدؒ وغیرہ لکھتے ہیں :

والمضامين ما فی بطون الإناث ، والملاقيح ما فی ظهور الرجال ، وقيل بعكس ذلك أن المضامين ما فی بطون الجمال والملاقيح ما فی بطون الإناث .(۳)

مضامین مادہ جانور کے پیٹ میں موجود بچہ اور ملاقیح نر جانور کی پشت میں موجود جرثومہ کو کہتے ہیں ،بعض علماء نے اس کے برعکس مضامین کو اونٹ (مادہ جانور) کے پیٹ میں موجود بچہ کو اور ملاقیح مادہ جانور کے بچہ کو قرار دیا ہے۔

خرید وفروخت کی یہ تمام صورتیں ناجائز وحرام ہیں، اس پر تمام فقہاء کا اجماع ہے، جیسا کہ علامہ ابن منذرؒ (م:۳۱۸ھ) نے ''الإجماع'' میں لکھا ہے :

وأجمعوا على فساد بيع حبل الحبلة وما فی بطن الناقة ، وبيع المجر : وهو بيع ما فی بطون الإناث ،

---

(۱) مجمع الزوائد:۱۴۳/۴،حدیث نمبر:۶۳۵۷،عن عبدالله بن عباس ﷺ، نیز دیکھئے:المغنی:۳۰۰/۶

(۲) مجمع الزوائد:۱۸۸/۴،حدیث نمبر:۶۵۰۱،عن عبدالله بن عباس رضی الله عنهما۔

(۳) مقدمات ابن رشد:۲۰۷/۳،المغنی:۲۹۹/۶،المقنع ، الشرح الكبير ، الإنصاف :۱۰۷/۱۱، مجمع الزوائد:۱۸۸/۴،زاد المعاد:۸۱۹/۵،الدر المختار مع رد المحتار:۲۳۸/۷

وأجمعوا على فساد بيع المضامين والملاقيح . (۱)

بیع حبل الحبلہ یعنی اونٹنی کے پیٹ میں موجود بچہ اور بیع مجر یعنی مادہ جانوروں کے حمل میں موجود بچے کی خرید وفروخت کے فاسد ہونے پر تمام علماء کا اجماع ہے (اور اسی طرح) مضامین اور ملاقیح کی بیع کے جائز نہ ہونے پر (بھی) علماء کا اجماع ہے۔

ان سب تجارتوں کی ممانعت کی ایک وجہ تو جہالت ہے، دوسری وجہ غرر وخطر ہے، جو جوا کی ایک صورت ہے، چنانچہ علامہ ابن قیم جوزیؒ رقمطراز ہیں :

بيع حبل الحبلة ، وبيع الملاقيح ، والمضامين ، ونحو ذلك مما قد يحصل وقد لا يحصل ، فبائع ماليس عنده من جنس بائع الغرر الذى قد يحصل وقد لا يحصل ، وهو من جنس القمار ، والميسر ، والمخاطرة . (۲)

بیع حبل الحبلہ ، بیع ملاقیح اور بیع مضامین اور اس طرح کی وہ چیزیں جو کبھی مل جاتی ہیں اور کبھی نہیں مل پاتیں ، پس جو چیز اپنے پاس فی الحال موجود نہ ہو، اس کا بیچنے والا ایسی غرر والی شئ کا بیچنے والا ہے جو کبھی حاصل ہوتی ہے اور کبھی نہیں اور یہ قمار ومیسر اور مخاطرہ کے قبیل سے ہیں (جن کے ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے)۔

فصل اور باغات کی خرید وفروخت

زمانۂ جاہلیت میں خرید وفروخت کی بہت سی صورتیں رائج تھیں، ان میں سے ایک

---

(۱) الإجماع لابن منذر:۱۵۵،رقم المجمعات:۴۷۶-۴۷۷

(۲) زاد المعاد فی هدی خیر العباد:۸۱۵/۵-۵۱۶

صورت باغات اور پھلوں کی خرید وفروخت کی بھی تھی، حضور اقدس ﷺ نے اس کی بعض شکلوں کو جائز اور بعض شکلوں کو ناجائز قرار دیا ہے۔

بیع محاقلہ اور اس کی تعریف

زمینی پیداوار کی خرید وفروخت کی ایک صورت اور تھی جو زمانۂ جاہلیت میں ''بیع محاقلہ'' کہلاتی تھی، اس سے حضور اقدس ﷺ نے منع فرمایا؛ کیوں کہ اس میں ''جوا'' کی صورت پائی جاتی ہے؛ چنانچہ حدیث نبوی ہے :

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن المحاقلة . (۱)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع ''محاقلہ'' سے منع فرمایا ہے۔

''محاقلہ'' کی تعریف میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں، زیادہ معروف قول یہ ہے کہ ''خوشہ میں لگے ہوئے گیہوں کو کٹے ہوئے گیہوں کے ذریعہ اندازہ سے فروخت کیا جائے'' جب کہ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ جس درخت پر ابھی پھل نہ آیا ہو، اس درخت کے پھل کی بیع کرنا ''محاقلہ'' ہے، اس قول کی رو سے یہ اور تیار ہونے سے پہلے پھل کی فروخت ''بيع الثمار قبل بدو صلاحها'' دونوں قریب ومترادف قرار پائیں گے (۲) بعض علماء نے دوسری تعریفیں بھی کی ہیں، مگر ان تعریفات کی بناء پر وہ حرام نہیں قرار پاتی۔

مگر اس اصطلاح کے سلسلہ میں راجح قول وہی ہے جو سب سے پہلے ذکر کیا گیا؛ چنانچہ ملک العلماء علامہ علاء الدین کاسانیؒ (م:۵۸۷ھ) رقمطراز ہیں :

والمحاقلة بيع الحب في السنبل بمثل كيله من الحنطة خرصاً لا يدرى أيهما أكثر . (۳)

---

(۱) صحيح البخاري ، كتاب البيوع ، باب بيع المزابنة ،حدیث نمبر:۲۱۸۷،صحيح مسلم ، كتاب البيوع ، باب النهي عن المحاقلة والمزابنة وعن المخابرة ،حدیث نمبر:۳۹۸۹

(۲) نيل الأوطار:۱۹۸/۵،تكملة فتح الملهم:۴۰۶/۱

(۳) بدائع الصنائع:۴۱۹/۴،نیز دیکھئے:نيل الأوطار :۱۹۸/۵،حجة الله البالغة مع اُردو ترجمہ: ۲۶۳/۲،اعلاء السنن:۱۲۵/۱۴، تكملة فتح الملهم:۴۰۶/۱،المجموع شرح المهذب:۳۰۹/۹

خوشہ میں لگے ہوئے دانے کو اس کے مثل گاہے ہوئے غلہ کے عوض اندازہ سے بیچنے کو ''محاقلہ'' کہتے ہیں، جس میں معلوم نہیں ہوتا کہ کس کی مقدار زیادہ ہے۔

بیع محاقلہ کا شرعی حکم

اس میں جوا بھی ہے اور ربا بھی؛ کیوں کہ ہم جنس شئی کی تجارت میں برابری ضروری ہے، اگر برابری نہیں ہوتو وہ ربا کے حکم میں ہے، نیز بعض علماء کی تعریف کی بناء پر پھل آنے سے پہلے ہی اس کی خرید وفروخت ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ پھل کے آنے نہ آنے کا اس صورت میں کوئی یقینی علم نہیں ہوتا اور یہ ''خطر'' ہے کہ کبھی خریدار کو نقصان وخسارہ بھگتنا پڑتا ہے اور کبھی بائع کو اور جس معاملہ میں ایسا احتمال ہو وہ خطر وغرر اور قمار میں داخل ہے، لوگ ایسا معاملہ قسمت آزمائی سمجھ کر کرتے ہیں، بعد میں ان کو اتنا دھکا لگتا ہے کہ پھر دوبارہ کاروبار کرنے کی سکت باقی نہیں رہتی، اسی بناء پر حضور اقدس ﷺ نے ''بیع محاقلہ'' سے منع فرمایا ہے(۱)؛ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۱۴-۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں :

واعلم أن من البيوع ما يجرى فيه معنى الميسر وكان أهل الجاهلية يتعاملون بها فيما بينهم فنهى عنها النبى صلى الله عليه وسلم ، منها ..... المحاقلة أن يبيع الزرع بمائة فرق حنطة ألخ . (۲)

یاد رہے کہ بعض بیوع (تجارتوں) میں جوئے کا مفہوم آتا ہے اور اہل جاہلیت باہم اس طرح کی بیع کیا کرتے تھے؛ چنانچہ

---

(۱) صحيح البخاري ، كتاب البيوع ، باب بيع المزابنة ،حدیث نمبر:۲۱۸۷،،وباب بيع المخاضرة ،حدیث نمبر:۲۲۰۷،صحيح مسلم ، كتاب البيوع ، باب النهي عن المحاقلة والمزابنة وعن المخابرة ،حدیث نمبر:۳۹۸۹

(۲) حجة الله البالغة:۲/۲۶۳

حضور اقدس ﷺ نے انھیں اس سے منع فرمایا.....ان میں سے ایک ''بیع محاقلہ'' بھی ہے کہ انسان کھیتی کو مثلاً : ایک سو فرق گیہوں کے عوض فروخت کردے۔

علامہ نوویؒ لکھتے ہیں :

واتفق العلماء على بطلانها . (۱)

بیع محاقلہ کے باطل ہونے پر علماء کا اتفاق ہے۔

بیع مزابنہ

بیع محاقلہ کی طرح بیع مزابنہ سے بھی حضور اقدس ﷺ نے منع فرمایا ہے۔(۲)

بیع مزابنہ کی حقیقت اور اس کے طریقہ کار کے بارے میں بھی فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، ''مزابنہ'' کا مشہور معنی تو یہ ہے کہ درخت پر لگے ہوئے پھلوں (کھجور، انگور وغیرہ) کو صاف اور الگ کئے ہوئے پھلوں کے عوض اندازہ سے بیچا جائے، اس میں چوں کہ کمی زیادتی کا احتمال ہے؛ کیوں کہ درخت پر لگے ہوئے پھل کو تولا نہیں جاسکتا، زیادہ سے زیادہ اس کا اندازہ ہی کیا جاسکتا ہے اور ایک ہی جنس کی دو چیزوں کی انداز اًخرید وفروخت میں کمی بیشی کا عین امکان ہے اور یہ ربا ہے، جس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک ''بیع مزابنہ'' اس بیع کو کہتے ہیں جس میں جہالت پائی جاتی ہو، چاہے اس میں ربا کا تحقق ہو یا نہ ہو۔(۳)

امام مالکؒ کے نزدیک ''بیع مزابنہ'' ہر اس بیع کو کہتے ہیں، جس میں خرید وفروخت

---

(۱) المجموع شرح المهذب:۳۰۹/۹

(۲) صحيح البخاري ، كتاب البيوع ، باب بيع المزابنة ،حدیث نمبر:۲۱۸۷،،وباب بيع المخاضرة ،حدیث نمبر:۲۲۰۷،صحيح مسلم ، كتاب البيوع ، باب النهي عن المحاقلة والمزابنة وعن المخابرة ،حدیث نمبر:۳۹۸۹

(۳) فتح الباری شرح بخاری:۳۲۰/۴،تكملة فتح الملهم:۴۰۶/۱

اندازاً کیا جائے، یعنی جس عقد میں نامعلوم کیلی چیز کو معلوم کیلی چیز کے عوض یا نامعلوم وزنی چیز کو معلوم وزنی چیز کے عوض یا غیر متعین شئ کو متعین شئ کے عوض بیچا جائے، اس کو ''بیع مزابنہ'' کہا جائے گا، خواہ اس میں ربا اور معنی ربا کا تحقق ہو یا نہ ہو۔(۱)

بیع مزابنہ کا شرعی حکم

بیع مزابنہ ناجائز وحرام ہے اور اس کی حرمت پر تمام فقہاء کرام کا اتفاق ہے؛ چنانچہ ''تکملہ فتح الملھم'' میں ہے :

اعلم أن الفقهاء اتفقوا على تحريم بيع المزابنة . (۲)

یاد رہے کہ بیع مزابنہ کی حرمت پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

ایک طرف تو بیع مزابنہ میں ربا شامل ہے، دوسری طرف اس میں قمار یعنی جوئے کا معنی بھی پایا جاتا ہے؛ کیوں کہ درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کو بیچنے کی صورت میں بیچنے والے اور خریدنے والے دونوں کو جہاں نفع کا امکان ہے، وہیں خسارہ کا بھی اور جس معاملہ میں نفع ونقصان دونوں کا احتمال برابر ہو، وہ شرعاً قمار ہے؛ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بیع مزابنہ کی ممانعت کی وجہ ''جوا'' ہی کو قرار دیا ہے(۳) اور علامہ شوکانیؒ (۱۱۷۳-۱۲۵۰) نے بھی ان سب کی ممانعت کی وجہ ''جوا'' بتائی ہے۔(۴)

(مخابرہ) کھیتی میں بٹائی کی ایک خاص صورت

بٹائی پر کاشت (مزارعت) کی ایک صورت وہ ہے جسے حدیث میں ''مخابرہ'' سے تعبیر کیا گیا ہے؛ چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے :

---

(۱) تكمله فتح الملهم:۴۰۶/۱

(۲) تكملة فتح الملهم:۴۰۶/۱

(۳) حجة الله البالغة مع اردو ترجمہ:۲۶۳/۲

(۴) نيل الأوطار:۱۶۹/۵

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن المخابرة ..... قال عطاء : فسر لنا جابر رضى الله عنه قال : أما المخابرة فالأرض البيضاء يدفعها الرجل إلى الرجل فينفق فيها ثم يأخذ من الثمر ..... . (۱)

حضور اکرم ﷺ نے مخابرہ (مزارعت) سے منع فرمایا ہے..... عطاء فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے مخابرہ کی تفسیر یوں بتائی ہے کہ ایک شخص اپنی خالی زمین کسی کو دیدے، پھر وہ شخص اس میں درخت لگائے اور جب پھل تیار ہوجائے تو مالک زمین اس میں سے کچھ پیداوار کا مالک بن بیٹھے۔

گویا حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی تشریح کے مطابق ''مخابرہ'' مزارعت کے ہم معنی ہے؛ لیکن بعض اہل علم نے مزارعت اور مخابرہ کے درمیان اس طرح فرق کیا ہے کہ اگر زراعت کے آلات (ہل، بیل وغیرہ) صاحبِ زمین کی طرف سے ہوں، تو مزارعت ہے اور عامل کی طرف سے ہوں تو مخابرہ ہے؛ لیکن امام نوویؒ نے اس فرق کو تسلیم نہیں کیا اور مزارعت ومخابرہ دونوں کو ایک مانا ہے (۲) علامہ شوکانیؒ نے بھی ''مخابرہ ومزارعت'' میں کوئی فرق نہیں کیا ہے (۳) اور علامہ ابن قدامہؒ بھی اسی کے قائل ہیں (۴) جس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں زمین کرایہ پر لگانے سے منع کیا گیا ہے: ''نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن كراء الأرض''۔(۵)

---

(۱) صحيح مسلم ، كتاب البيوع ، باب النهي عن المحاقلة والمزابنة ... ،حدیث نمبر:۲۸۵۶

(۲) تكملة الفتح الملهم:۴۲۸/۱

(۳) نيل الأطار:۳۰۷/۵، مغنى المحتاج مع منهاج الطالبين:۳۲۳/۲

(۴) المغنى لإبن قدامه:۵۵۶/۷،ط:عالم الكتب،رياض .

(۵) صحيح مسلم ، كتاب البيوع ، حدیث نمبر:۳۹۹۶

بٹائی داری کی ایک خاص صورت

''مزارعہ'' کی بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں زمیندار یا بٹائی دار کو کچھ حاصل ہونا یا نہ ہونا مشکوک ہوتا ہے، جیسے زمین ایک آدمی کی طرف سے ہو اور عمل دوسرے آدمی کی طرف سے اور پیداوار کی کسی ایسی مقدارِ معین کی شرط پر ہو، جس پر عمل کرنے کی صورت میں فریق ثانی کے لئے کچھ بچنا یا نہ بچنا موہوم ہو، مثلاً صاحبِ زمین نے یوں کہا کہ فلاں جگہ کی پیداوار یا اتنی بوری پیداوار یا اتنے مَن پیداوار تو میری ہوگی اور باقی جتنی بھی ہو وہ تمہاری ہوگی، ظاہر ہے اس صورت میں مقدارِ معین کا پیداوار ہونا نہ ہونا اور مقدارِ معین کی ادائیگی کے بعد فریق ثانی کے لئے کچھ باقی رہنا یا نہ رہنا موہوم ہے؛ اس لئے مزارعت یعنی مخابرہ کی یہ صورت بالاتفاق باطل وناجائز اور حرام ہے(۱) ابن منذرؒ نے اس پر اجماع ہونے کا دعوی کیا ہے :

وأجمعوا على النهي عن المحاقلة والمزابنة والمخابرة . (۲)

کیوں کہ مقدار متعین کرنے کی صورت میں اگر بالفرض اتنا ہی غلہ پیدا ہو جتنا کہ مالک زمین نے اپنے لئے مقرر کیا تھا، یا متعینہ جگہ سے ہی پیداوار ہوئی جو مالک زمین نے اپنے لئے مقرر کی تھی تو ظاہر ہے کہ مالک زمین تو مکمل فائدہ میں رہے گا؛ لیکن کاشتکار بیچارہ بالکل گھاٹے میں رہے گا اور اگر اس کے برعکس صورت ہوئی کہ مالک زمین نے جس حصۂ زمین کی پیداوار اپنے لئے مقرر کی تھی، اتفاق سے اس حصۂ زمین سے کچھ بھی پیداوار حاصل نہ ہوئی، اس صورت میں کاشتکار تو فائدہ میں رہے گا؛ لیکن زمیندار کو کچھ حاصل نہ ہوگا اور جس عقد میں ایسے احتمالات ہوں، اس میں ''خطر وغرر'' تو ظاہر ہے، نیز اس بات کا بھی اندیشہ ہوتا ہے کہ یہ نزاع کا باعث بن جائے اور یہ سب وجوہ معاملہ کے درست اور منعقد

---

(۱) تكملة فتح الملهم :۴۰۸/۱، وما بعدها ، نيل الأطار :۳۰۸/۵، مغني المحتاج مع منهاج الطالبين :۳۲۳/۲، وما بعدها .

(۲) الإجماع لابن المنذر:۱۱۵

ہونے کے لئے مانع ہیں۔

احادیث میں مزارعت ومخابرہ کے متعلق جو ممانعت آئی ہے، وہ علماء کی رائے کے مطابق دراصل اسی صورت سے متعلق ہے۔

بیع مخاضرہ

حضور اقدس ﷺ نے ''بیع مخاضرہ'' سے منع فرمایا ہے :

عن أنس بن مالک أنه قال : نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ... والمخاضرة . (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے بیع مخاضرہ سے منع فرمایا ہے۔

فقہاء نے ''مخاضرہ'' کا معنی پھل نکل آنے کے بعد انسانی استعمال کے قابل ہونے سے پہلے پھلوں کی خرید وفروخت کرنا بتایا ہے، (۲) انسانی استعمال کے قابل ہونے سے پہلے پھلوں کی خرید وفروخت کرنے کے متعلق احادیث میں صریح الفاظ کے ساتھ بھی ممانعت آئی ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے :

أن النبى صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها نهى البائع والمبتاع . (۳)

---

(۱) صحيح البخاري ، كتاب البيوع ، باب بيع المخاضرة ،حديث نمبر:۲۰۰۷،سنن النسائي ، كتاب المزارعة ، باب ذكر الأحاديث المختلفة ... ،حديث نمبر:۳۸۹۹، نيل الأوطار ، باب النهى عن بيوع الغرر:۱۷۰/۵،إعلاء السنن:۱۲۴/۱۴،حديث نمبر:۴۶۵۴

(۲) اعلاء السنن:۱۲۵/۱۴،نيل الأوطار:۱۷۰/۵

(۳) صحيح البخاري ، كتاب البيوع ، باب بيع الثمار قبل أن يبدو صلاحها ،حديث نمبر:۲۱۹۴، وكتاب الزكوة ،حديث نمبر:۱۴۸۷،صحيح مسلم ، كتاب البيوع ،حديث نمبر:۳۹۴۱، سنن أبي داؤد ، كتاب البيوع ،حديث نمبر:۳۳۶۹،سنن الترمذي ، كتاب البيوع ، باب ما جاء في كراهية بيع الثمرة حتى يبدو صلاحها ،حديث نمبر:۱۲۷۲،سنن النسائي ، كتاب البيوع ،حديث نمبر:۴۵۴۳، سنن ابن ماجة ، كتاب التجارات ،حديث نمبر:۲۲۹۹، نيل الأوطار:۱۹۵/۵،المؤطا لمالك:۲۵۴/۲

حضور اقدس ﷺ نے انسانی استعمال کے قابل ہونے سے پہلے
پھلوں کی خرید وفروخت سے بیچنے اور خریدنے والے دونوں کو
منع فرمایا ہے۔

بدوصلاح کی علامت

اب سوال یہ ہے کہ پھل کا انسانی استعمال کے قابل ہونا کب سمجھا جائے گا؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان کچھ اختلاف رائے ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس سے مراد پھل کا فساد وآفات سے مامون ہوجانا ہے: ''بدو الصلاح عندنا أن تؤمن من العاهة والفساد ''(۱) اور امام شافعیؒ کے نزدیک ''بدوصلاح'' یہ ہے کہ جو پھل رنگ والے نہ ہوں، ان میں مٹھاس اور پکنے کے آثار ظاہر ہوجائیں اور جو پھل رنگ دار ہوں ان میں سرخی اور سیاہی آجائے؛ چنانچہ علامہ نوویؒ لکھتے ہیں :

وبدو صلاح الثمر ظهور النضج والحلاوة فيما لا يتلون ،
وفي غيره بأن يأخذ في الحمرة أو السواد . (۲)
بغیر رنگ والے پھلوں میں مٹھاس اور پکنے کے آثار پیدا
ہوجائیں اور رنگ والے پھلوں میں لالی اور کالا پن آجائے تو
اسے پھل کا قابل استعمال ہوجانا (بدوصلاح) کہا جائے گا۔

جب کہ علامہ شربینیؒ نے پھل میں رس آجائے اور نرم ہوجانے کو ''بدوصلاح'' کہا ہے،(۳) اور علامہ ماوردیؒ نے ہر پھل کی الگ الگ کیفیتیں ذکر کی ہیں :

(الف) کشمش کا پیلا ہوجانا، انگور کا لال ہوجانا، آلو بخاریٰ کا کالا ہوجانا۔

---

(۱) ردالمحتار:۸۵/۷، فتح القدير:۴۸۹/۵، البحر الرائق:۵۰۳/۵

(۲) منهاج الطالبين على هامش مغنى المحتاج:۹۱/۲، ردالمحتار:۸۵/۷، البحر الرائق:۵۰۳/۵، تكملة فتح الملهم:۳۸۴/۱

(۳) مغنى المحتاج:۹۱/۲، نهاية المحتاج:۱۵۲/۴

(ب) پھل مزیدار ہوجائے ، جیسے : گنا میں مٹھاس پیدا ہوجانا ، انار میں کرواہٹ ختم ہوکر کھٹاپن ہوجانا۔

(ج) انجیر اور خربوزہ اور اس طرح کے پھلوں میں سختی کی جگہ نرمی آجانا۔

(د) گیہوں اور جو کا سخت ہوجانا۔

(ہ) سبزی اور چارہ کا لمبا اور بھرپور ہوجانا۔

(و) ''قثاء'' ککڑی وغیرہ کا بڑا ہوجانا۔

(ز) روئی اور اخروٹ کے شگوفہ کا پھٹ جانا۔

(ح) شہتوت اور گلاب کا کھل جانا وغیرہ۔(۱)

''بدوصلاح'' یعنی قابل استعمال ہونے کی بہترین تفسیر وہ ہے جو امام ابوحنیفہؒ نے کی ہے کہ'' پھل آفات سے مامون ہوجائے'' ؛ کیوں کہ متعدد احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے :

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع الثمر حتى يبدو صلاحها ، وكان إذا سئل عن صلاحها ؟ قال : حتى تذهب عاهته . (۲)

---

(۱) ''وجعل الماوردى بدو صلاحها على ثمانية أقسام : أحدها : باللون كصفرة المشمش ، وحمرة العناب ، وسواد الاجاص ، وبياض التفاح ونحو ذلك ، وثانيها : الطعم ، كحلاوة قصب الكسر وحموضة الرمان إذا زالت المرارة ، ثالثها : النضج فى التين والبطيخ ونحوهما ، وذلك بأن تلين صلابته ، رابعها : بالقوة والاشتداد كالقمع والشعير ، خامسها : بالطول والامتلاء كالعلف والبقول ، سادسها : بالكبر كالقثاء ، سابعها : بانشقاق كمامه كالقطن والجوز ، ثامنها : بانفتاحه كا الورد وورق التوت ''(مغنی المحتاج:۹۱/۲،تکملة فتح الملهم شرح مسلم:۳۸۴/۱،حاشية ابى الضياء ، على هامش نهاية المحتاج:۱۵۲/۴)

(۲) بخاری ، کتاب الزکوٰۃ ،حدیث نمبر:۱۴۸۶، مسلم ، کتاب البیوع ،حدیث نمبر:۳۸۷۰،مسند أحمد ، حدیث نمبر:۵۰۱۲،الطحاوی شرح معانی الآثار:۱۷۰/۲،نیل الأوطار:۱۹۵/۵

حضور اقدس ﷺ نے استعمال کے لائق ہونے سے پہلے پھلوں کی خرید وفروخت سے منع فرمایا، جب آپ ﷺ سے بدوصلاح کا مطلب پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ آفات سے پھل کے مامون ہوجانے کا نام ''بدوصلاح'' ہے۔

اس مفہوم کو احادیث میں ''حتی یبیض ویأمن العاهة''(۱) ''وتذهب عنه الآفة''(۲) ''حتی یطیب''(۳) ''حتی تزهو''(۴) ''حتی تنجو من العاهة''(۵) وغیرہ الفاظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔

اور یہ واقعہ بھی ہے کہ پھل جب تک مکمل طور پر تیار نہیں ہوتا، وہ مامون نہیں ہوتا اور جب مکمل طور پر تیار ہوجائے تو وہ آفات سے مامون ہوجاتا ہے اور مکمل طور پر تیار، الگ الگ حالات اور الگ الگ اوقات میں ہوتا ہے، علامہ ماوردی نے پھل کے ''بدوصلاح'' کی جو تفصیل پیش کی ہے، انھیں اوقات میں پھل آفات سے مامون ہوجاتا ہے اور اسی کی

---

(۱) یہاں تک کہ سفید ہوجائے اور آفت سے مامون ہوجائے، صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب النهي عن بیع الثمار قبل بدو صلاحها بغیر شرط القطع، حدیث نمبر:۳۸۶۴، سنن أبی داؤد، کتاب البیوع، حدیث نمبر:۳۳۶۸، جامع الترمذی، کتاب البیوع، حدیث نمبر:۱۲۲۷

(۲) آفت دور ہوجائے، مسلم، کتاب البیوع، حدیث نمبر:۳۸۶۵

(۳) خوشگوار اور خوش ذائقہ ہوجائے، صحیح البخاري، کتاب البیوع، باب بیع الثمر علی رؤس النخل بالذهب أو الفضة، حدیث نمبر:۲۰۴۰، وصحیح مسلم، کتاب البیوع، حدیث نمبر:۳۸۷۱

(۴) آفت دور ہوجائے، بخاری کتاب البیوع، حدیث نمبر:۲۱۵۹، صحیح مسلم، کتاب البیوع، حدیث نمبر:۲۰۹۶، سنن أبی داؤد، کتاب البیوع، حدیث نمبر:۳۳۶۸، جامع الترمذی، کتاب البیوع، حدیث نمبر:۱۲۲۶، سنن نسائی، کتاب البیوع، حدیث نمبر:۳۵۳۰، سنن ابن ماجه، کتاب التجارات، حدیث نمبر:۲۲۱۷

(۵) آفت سے محفوظ ہوجائے، مؤطا امام مالك کتاب البیوع، حدیث نمبر:۲۲۹۱، شرح معانی الآثار للطحاوی، کتاب البیوع، حدیث نمبر:۵۱۴۴

امام ابوحنیفہؒ نے جامع و مانع تفسیر بیان فرمائی ہے کہ پھل کا آفات وفساد سے مامون ہوجانا ''بدوصلاح'' کہلاتا ہے۔

بیع مخاضرہ کا شرعی حکم

پھلوں کی خرید وفروخت کی مختلف صورتوں میں بعض جائز اور بعض ناجائز ہیں، جن صورتوں کو ناجائز قرار دیا گیا ہے، ان میں بعض میں ''قمار'' شامل ہوتا ہے، مثلاً: یہ صورت کہ ''بدوصلاح'' سے پہلے خرید وفروخت اس شرط کے ساتھ طے پائے کہ پھل ابھی نہیں توڑے گا؛ بلکہ پکنے تک درخت پر باقی رہنے دے گا، اس میں نمایاں طور پر بہت غرر ہے؛ کیوں کہ اس میں خریدار کو تو فائدہ ہی فائدہ ہے، جب کہ فروخت کرنے والے کو نقصان کا اندیشہ ہے اور دوسری خرابی یہ ہے کہ خریدار کے خریدنے کے بعد جو پھل مزید نکلے گا، اس کی مقدار کیا ہوگی؟ اور کونسا پھل خریدنے سے پہلے کا ہے اور کونسا پھل خریدنے کے بعد کا؟ اس کی نہ تعیین ہوسکے گی اور نہ تمییز ہوسکے گی اور یہ نزاع کا باعث ہوسکتا ہے اور جو معاملہ باعث نزاع ہو وہ ''غرر کثیر'' ہے؛ اسی لئے ائمہ اربعہ نے بالاتفاق اس صورت کو ناجائز قرار دیا ہے اور یہی قمار یعنی جوئے کی صورت ہے؛ چنانچہ امام مالکؒ رقمطراز ہیں :

بیع الثمار قبل أن یبدو صلاحها من بیع الغرر . (۱)

انسانی استعمال کے قابل ہونے سے پہلے پھلوں کی خرید وفروخت کرنا ''بیع غرر'' میں داخل ہے۔

علامہ ابن قیم جوزیؒ نے بھی ایسے معاملہ کو قمار میں شمار کرتے ہوئے لکھا ہے :

فبائع ما لیس عنده من جنس بائع الغرر الذی قد یحصل وقد لا یحصل ، وهو من جنس القمار والمیسر ..... وبیع الثمار قبل بدو صلاحها ومن هذا النوع یکون أحدهما قد قمر الآخر ، وظلمه ، ویتظلم

(۱) المؤطا للامام مالك:۲۵۴/۲

أحدهما من الآخر ألخ . (۱)

ایسی چیز کا بیچنا جو اپنے پاس موجود نہیں ہے، بیع غرر میں داخل ہے؛ کیوں کہ جو چیز کبھی مل جاتی ہے اور کبھی نہیں ملتی، وہ ''قمار اور میسر'' کے قبیل سے ہے..... ''قمار'' ہی کی صورتوں میں ''بدوصلاح'' یعنی انسانی استعمال کے قابل ہونے سے پہلے پھلوں کی خرید وفروخت ہے؛ کیوں کہ اس میں فروخت کرنے والا اور خرید کرنے والا گویا ایک دوسرے سے جوا کھیلتا ہے اور ایک دوسرے کے ظلم کا شکار ہوتا ہے۔

ایسی صورتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ باغ میں سے کچھ درختوں میں پھل نکل آئی اور کچھ ابھی نہیں نکلا؛ البتہ مستقبل قریب میں نکل آنے کی توقع ہے، مگر ان دونوں پھلوں کو ایک ہی ساتھ بیچ دیا جائے، اس صورت میں سب سے زیادہ ''غرر وخطر'' ہے؛ کیوں کہ جس پھل کے بعد میں نکلنے کی توقع ہے کیا واقعتاً وہ نکلے گا یا نہیں؟ پھر نکلے گا بھی تو کتنا بڑا ہوگا؟ ظاہر ہے کہ اس کی کوئی شکل متعین نہیں ہے اور اس میں نفع ونقصان کا امکان مساوی ہے، جو ''جوا'' کے مشابہ ہے، اسی وجہ سے ائمہ ثلاثہ امام شافعی، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ نے اس صورت کو ناجائز قرار دیا ہے، صرف امام مالکؒ نے جائز قرار دیا ہے، یہ الگ بات ہے کہ متاخرین علماء نے لوگوں کے تعامل کی وجہ سے استحساناً اس کی اجازت دی ہے۔

کئی سالوں کے لئے باغات کی فروخت

ایک شخص کا دو تین سال کے لئے اکٹھا اپنے کھیت کی پیداوار یا باغ کا پھل فروخت کردینے کو ''بیع معاومہ'' اور ''بیع سنین'' کہتے ہیں، حضور اقدس ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے؛ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے :

---

(۱) زاد المعاد: ۵/۵۱۶

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ..... المعاومة ..... قال : أحدهما بيع السنين هى المعاومة . (۱)

حضور اقدس ﷺ نے ..... بیع معاومہ ..... سے منع فرمایا ہے اور ایک راوی نے ''معاومہ'' کے بجائے ''بیع سنین'' کہا ہے جو ''معاومہ'' کا ہم معنی ہے۔

بیع معاومہ کی تفسیر اور اس کا حکم شرعی

''معاومہ'' عام سے مشتق ہے اور عام کے معنی سال کے ہیں ''بیع معاومہ'' کو ''بیع سنین'' بھی کہتے ہیں، دونوں کا معنی ایک ہی ہے :

والمعاومة وبيع السنين معناهما واحد . (۲)

بیع معاومہ اور بیع سنین دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔

فقہاء نے ''بیع معاومہ'' کی چار تعریفیں کی ہیں :

۱- درختوں کو ہی چند سالوں کے لئے بیچ دینا۔

۲- زمین کو چند سالوں کے لئے مزارعت پر دینا۔

۳- دو تین سال کے لئے اکٹھے اپنے کھیت کی پیداوار یا باغ کا پھل فروخت کر دینا۔(۳)

تیسری تعریف معروف بھی ہے اور اس کے مادۂ اشتقاق سے ہم آہنگ بھی اور غور کیجئے تو اس میں ''غرر'' اور ''قمار'' پایا جاتا ہے، نیز انھیں ''بیع سلم'' میں بھی داخل نہیں مانا جا سکتا؛ کیوں کہ ''بیع سلم'' کے لئے احناف کے یہاں یہ ضروری ہے کہ ''مبیع'' فروختگی کے وقت سے ادائیگی کے وقت تک موجود ہو اور یہاں ایسا نہیں ہوتا ہے، تاہم اگر فقہی اختلافات سے فائدہ

(۱) مسلم ، كتاب البيوع ، حدیث نمبر:۳۸۸۵، نيل الأوطار:۱۹۸/۵

(۲) تكملة فتح الملهم:۴۳۱/۱

(۳) نيل الأوطار:۱۹۹/۵

اُٹھاتے ہوئے اس جہت کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو بھی بات نہیں بنتی؛ اس لئے کہ ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مبیع کی مقدار اور ادائیگی کا وقت متعین ہو اور یہاں نہ پھل کی مقدار متعین ہے اور نہ ہی یقینی طور پر مدت مقرر ہے کہ پھل کب خریدار کو ملے گا؟ اور ملے گا تو کتنا؟ اس طرح کے معاملہ میں اکثر لوگ یہ اندازہ کر کے کھیت کی پیداوار کو اگلے چند سالوں کے لئے بیچتے ہیں کہ فلاں سال اس کھیت سے دس مَن غلہ حاصل ہوا تھا؛ اس لئے توقع ہے کہ آئندہ سالوں میں بھی اسی قدر غلہ پیدا ہوگا، مگر یہ بالکل موہوم بات ہے، اس میں کمی بھی ہوسکتی ہے اور زیادتی بھی اور جس بیع کے اندر یہ احتمال ہو، آگے چل کر عموماً وہ باعث نزاع بن جاتی ہے، متعین مقدار سے زیادہ پیداوار ہوئی تو بیچنے والے کے دل میں حسد اور کم ہوئی تو خریدار کے دل میں حسد، جب کہ دوسری طرف یہ بھی امکان ہے کہ خریدار کو ذرہ برابر بھی غلہ حاصل نہ ہو اور جس بیع میں نفع کے حاصل ہونے نہ ہونے دونوں کا امکان ہو وہ ''غرر وقمار'' ہے، جو حرام ہے، پس ''بیع معاومہ'' بھی حرام ہوئی، چنانچہ علامہ شوکانیؒ (م: ۱۲۵۰ھ) نے اس کی ممانعت کی وجہ یہی بتائی ہے: ''وذلک لأنه بیع غرر لکونه بیع مالم یوجد ''۔(۱) ''یہ بیع غرر ہے؛ کیوں کہ اس میں غیر موجود چیز کی تجارت ہے''۔

انھیں وجوہ کی بناء پر فقہاء نے ''بیع معاومہ'' اور ''بیع سنین'' کو بالاتفاق ناجائز قرار دیا ہے؛ چنانچہ علامہ ابن منذرؒ فرماتے ہیں :

وأجمعوا علی بیع الثمار سنین لا یجوز . (۲)

چند سالوں کے لئے اپنے کھیت کی پیداوار کو اکٹھا بیچنے کے ناجائز ہونے پر ائمہ کا اجماع ہے۔

۴- معاومہ کی ایک تعریف امام رافعؒ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے کسی سے اس

---

(۱) نیل الأوطار: ۱۹۹/۵، تکملة فتح الملهم: ۴۳۱/۱

(۲) الإجماع لابن المنذر: ۱۱۵، رقم المجمعات: ۴۷۹، نیز دیکھئے: البحر الرائق: ۵۰۲/۵، ردالمحتار: ۸۵/۷، الفتاوی الهندیة: ۱۰۶/۳، بدائع الصنائع: ۳۲۶/۴

شرط کے ساتھ اپنا سامان ایک سال کے لئے بیچا کہ جب سال ختم ہوجائے گا تو ہم دونوں کے درمیان کوئی بیع باقی نہیں رہے گی، میں ''ثمن'' لوٹا دوں گا اور تم ''مبیع'' جیسا کہ علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں :

وهو أن يقول : بعتک هذا سنة على أنه إذا انقضت السنة فلا بيع بيننا وأردّ أنا الثمن وتردّ أنت المبيع . (۱)

معاملہ اس طرح کیا جائے کہ خریدار اور بیچنے والے میں سے ایک کہے کہ میں فلان چیز ایک سال کے لئے تم سے اس شرط کے ساتھ بیچتا ہوں کہ جب سال ختم ہوجائے تو ہم دونوں کے درمیان یہ بیع نہیں رہے گی، میں ثمن لوٹا دوں گا اور تم مبیع لوٹا دینا۔

ظاہر ہے کہ اس طرح کے معاملہ کو نہ رہن میں شمار کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی عاریت میں؛ بلکہ یہ بھی غرر اور قمار میں داخل ہوگا، خریدار اور فروخت کنندہ اس مدت میں کتنا فائدہ اٹھائیں گے؟ کچھ معلوم نہیں، ایسا بھی ممکن ہے کہ اس مدت میں ایک فریق کو تو کافی فائدہ ہو اور دوسرے فریق کو کچھ بھی ہاتھ نہ آئے اور یہ بھی ممکن ہے کہ بوقت واپسی مبیع میں کچھ نقص پیدا ہوجائے اور یہ تمام چیزیں نزاع کا سبب بن سکتی ہیں اور بیع کے اندر ایسی شرط لگانا جو نزاع کا باعث بنے، بیع کو فاسد کردیتی ہے؛ لہٰذا یہ بیع بھی ناجائز و فاسد ہوگی۔

افسوس کہ اس زمانہ میں چھوٹے تاجروں سے لے کر بڑے تاجروں تک ''بیع معاومہ'' میں ملوث ہیں اور اس کے ناجائز ہونے کی طرف ان کا دھیان بھی نہیں جاتا، اللہ تعالیٰ اُمت کو حرام سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے!

بیع معاومہ کی حرمت کے دو خاص پہلو

''معاومہ'' کے حرام ہونے کے دو پہلو قابل ذکر ہیں :

۱- ایک تو یہ کہ اس میں جو چیز بیچی جاتی ہے وہ قبضہ میں نہیں ہے؛ بلکہ موجود بھی

(۱) نیل الأوطار: ۱۹۹/۵

نہیں ہے؛ اس لئے یہ شئ معدوم کی بیع میں داخل ہے اور شئ معدوم کی بیع جائز نہیں ہے :

لا ينعقد بيع المعدوم وماله خطر المعدوم . (۱)

۲- دوسرے اس کا فائدہ محض قسمت و اتفاق پر مبنی ہوتا ہے، جو قمار ہے اور قمار ناجائز ہے۔

ایسی بیع سے چھوٹے تاجروں کو تو گاہے گاہے نقصان ہوتا ہی ہے، عوام الناس کا بھی بہت نقصان ہوتا ہے؛ اس لئے کہ اس طرح بڑے تاجروں کو سامان اسٹاک کر کے گرانی پیدا کرنے کا اچھا موقع ہاتھ آجاتا ہے جس کی حدیث میں ممانعت آئی ہے۔

بیعانہ (Advonce)

بیعانہ کو کتبِ فقہ اور احادیث میں لفظ ''عربون'' سے تعبیر کیا گیا ہے، شیخ شمس الدین شربینیؒ وغیرہ نے لفظ ''عربون'' کی چھ لغات بتائی ہیں ''عَـرَبُـوْنَ'' (عین اور راء پر زبر) یہی زیادہ فصیح لغت ہے، ''عُرْبُوْنَ'' (عین پر پیش اور راء پر سکون) ''عُرْبَان'' یہ تین لغات ہوئیں اور باقی تین لغات میں ''ع'' کی جگہ ''ہمزہ'' ہوا ہے، باقی اعراب وہی ہیں: ''اربون، اربون'' اور ''اربان'' یہ عجمی اور معرف لفظ ہے اور اس کا لغوی معنی ہے: ''**التسليف والتقديم**'' یعنی پیشگی دینا (۲) اُردو میں اس کو ''بیعانہ'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور انگریزی میں اس کو اڈوانس (Advance) کہا جاتا ہے۔

اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی جائداد وغیرہ کے خرید کرتے وقت بات کو پختہ کرنے کی غرض سے خریدار کی جانب سے کچھ رقم صاحب مال کو اس کے اطمینان کی خاطر پیشگی دی جاتی ہے کہ اگر خریدار سامان خرید لے گا تو دی ہوئی رقم کے بقدر قیمت میں سے وضع کر لی جائے گی اور اگر خدانخواستہ طے شدہ سامان خریدنے سے وہ مجبور ہو جائے تو

---

(۱) بدائع الصنائع: ۳۲۶/۴، المجموع شرح المهذب: ۲۵۷/۹

(۲) مغنی المحتاج: ۵۵/۲، المجموع شرح المهذب: ۳۳۵/۹، نهاية المهتاج: ۴۷۶/۳، المغنی: ۳۳۱/۶، نيل الأوطار: ۱۷۳/۵

خریدار کو ''بیعانہ'' کی رقم واپس نہیں دی جائے گی؛ بلکہ وہ رقم بائع کی ملک قرار پائے گی، اس کو فقہاء کرام نے اس طرح تعبیر کیا ہے :

والعربون فی البیع هو أن یشتری السلعة ، فیدفع إلی البائع درهماً أو غیره ، علی أنه إن أخذ السلعة احتسب به من الثمن وإن لم یأخذها فذلک للبائع . (۱)

تجارتی معاملہ میں ''عربون'' اس کو کہتے ہیں کہ کسی چیز کو خریدنے کے لئے خریدار مثلاً: ایک درہم، یا اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز اس شرط پر بائع کو دے کہ اگر وہ سامان خریدے گا تو اصل قیمت میں سے اتنی مقدار منہا ہوجائے گی، ورنہ وہ رقم یا شئ بائع کی ملک قرار پائے گی۔

بیعانہ کے متعلق ائمہ کی رائے

''بیعانہ'' کے معاملہ کو امام احمدؒ اور ابن سیرینؒ وغیرہ نے جائز قرار دیا ہے :

قال أحمد : لا بأس به ، وقال ابن سیرین : لا بأس . (۲)

یہ حضرات اپنی دلیل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ پیش کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عامل نافع نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں سرکاری ضرورت کے لئے ایک قید خانہ کی جگہ صفوان بن امیہ سے اس شرط پر چار ہزار (درہم یا دینار) کے عوض خریدی کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ راضی ہوگئے تو یہ بیع ہوجائے گی، ورنہ چار سو (درہم یا دینار) صفوان بن امیہ (جو بائع تھے) کے لئے ہوجائے گی۔ (۳)

جب کہ جمہور فقہاء امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے اس طرح کے معاملہ کو

(۱) المغنی:۳۳۱/۶

(۲) المغنی:۳۳۱/۶، المجموع:۳۳۵/۹، نیل الأوطار:۱۷۳/۵

(۳) المجموع:۳۳۵/۹، المغنی:۳۳۱/۶، نیل الأوطار:۱۷۳/۵

ناجائز قرار دیا ہے؛ چنانچہ علامہ نوویؒ لکھتے ہیں :

ولا يصح بيع العربون بأن يشترى ويعطيه دراهم لتكون من الثمن إن رضى السلعه وإلا فهبة . (۱)

کوئی چیز خریدنے کے لئے خریدار نے دوکاندار کو کچھ رقم پیشگی دی اور کہا کہ اگر میں سامان سے راضی ہو جاؤں تو یہ پیشگی دی گئی رقم من جملہ ''ثمن'' کے شمار ہوگی، ورنہ بائع کے لئے ''ہبہ'' ہوگی، یہ طے صحیح و درست نہیں ہے۔

امام نوویؒ اپنی ایک اور تالیف میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :

في مذاهب العلماء في بيع العربون قد ذكرنا أن مذهبنا بطلانه إن كان الشرط في نفس العقد ، وحكاه ابن المنذر عن ابن عباس رضى الله عنهما والحسن ومالك وأبي حنيفة قال : هو يشبه قول الشافعي . (۲)

''مذاهب العلماء فى بيع العربون ''—اس عنوان کے تحت ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ اگر یہ شرط نفس عقد میں ہے تو عقد ناجائز و باطل ہے، اس کو علامہ ابن منذرؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن، امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ سے نقل کیا ہے اور اسی کے قائل امام شافعیؒ بھی ہیں۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ حدیث شریف میں اس معاملہ کی سخت ممانعت آئی ہے؛ چنانچہ حدیث میں ہے :

---

(۱) منهاج الطالبين مع مغنى المحتاج:۵۵/۲،نهاية المحتاج:۳۷۶/۳

(۲) المجموع:۳۳۵/۹،المغنى:۳۳۱/۶، نيل الأوطار :۱۷۳/۵

أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع العربان ، قال أبو عبد الله : العربان أن يشترى الرجل دابة بمائة دينار فيعطيه دينارين أربونا فيقول إن لم أشتر الدابة فالدينار ان لک . (۱)

حضور اقدس ﷺ نے بیع عربون یعنی بیعانہ سے منع فرمایا ہے، ابوعبداللہ (راوی) فرماتے ہیں کہ ''بیع العربان'' کی شکل یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص مثلاً: سو دینار کے عوض ایک جانور خریدنے کا معاملہ طے کرے اور بات کو پختہ کرنے کی غرض سے اڈوانس دو دینار یہ کہہ کر دیدے کہ اگر میں جانور کو نہ لوں تو یہ دو دینار تمہارے لئے ہیں۔

شرعاً بیچنے والے کو ایسی شرط لگانے کا حق نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ شرط شرطِ فاسد ہے، پس سودا نہ لینے کی صورت میں خریدار کی جانب سے دی گئی پیشگی رقم بیچنے والے کے لئے حلال نہیں ہوگی؛ بلکہ خریدار کو واپس دے دینا واجب ہوگا؛ اس لئے کہ یہ رقم یا تو ''انتظار'' کا معاوضہ ہوگی یا ''تاخیر'' کا اور انتظار و تاخیر کوئی ایسی شئ نہیں، جس کا شرعاً کوئی معاوضہ ہو، اس طرح یہ رقم بلاعوض ہوئی اور عقد معاوضہ میں ایسی زیادتی جو بلاعوض ہو ''سود'' ہے، جو نص قطعی کی بناء پر حرام ہے؛ اسی لئے بیعانہ (Advonce) کی اس صورت کو جمہور فقہاء نے ناجائز و باطل قرار دیا ہے۔(۲)

بیعانہ کے ناجائز ہونے کی وجوہ

بیعانہ کے ناجائز ہونے کی دو وجہیں ہیں: ایک یہ ہے کہ خریدار اگر نہ لینا چاہے تو بیع

(۱) سنن ابن ماجة ، كتاب التجارات ، بيع العربان ،حدیث نمبر:۲۲۷۷،سنن أبي داؤد ، كتاب البيوع ، باب في العربان ،حدیث نمبر:۳۰۳۹،موطأ مالك ، كتاب البيوع ، باب ماجاء في بيع العربان ،حدیث نمبر:۲۲۵۷

(۲) الشرح الكبير لابن قدامة:۱۱/۲۵۱

رد کردی جائے گی اور دوسری یہ کہ بیعانہ کی رقم بیچنے والے کے لئے ہبہ شمار ہوگی، یہ دونوں شرطیں شرطِ فاسد ہیں، پہلی تو اس لئے کہ وہ مقاصدِ بیع کے بالکل خلاف ہے اور دوسری اس لئے کہ وہ ''زیادتی بلاعوض'' ہے :

لما فيه من شرطين مفسدين شرط رد البيع بتقدير إن لا يرض . (۱)

علامہ نوویؒ اس کے باطل ہونے کی وجوہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

لما فيه من شرط الفاسد والغرر وأكل المال بالباطل . (۲)

اس میں شرط فاسد ہے (یعنی: ایسی شرط لگائی گئی ہے جو مقاصد عقد کے خلاف ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں) غرر ہے، (تیسری وجہ یہ ہے کہ اس میں) دوسرے کا مال باطل طریقہ سے کھانا ہے۔

بلا محنت و مشقت کوئی شخص دوسرے کا مال ہڑپ کرلے، شریعت اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتی؛ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے :

لَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ . (۳)

آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناحق طور پر نہ کھاؤ۔

اس صورت میں شرطِ فاسد، غرر اور باطل طریقہ پر مال کھانا تو ہے ہی، اس میں قمار یعنی جوئے کا معنی بھی پایا جاتا ہے اور وہ اس طرح کہ خریدار اگر کسی وجہ سے طے شدہ سامان خریدنے سے انکار دیتا ہے تو بائع اس کی دی ہوئی اڈوانس شئ کو ہڑپ لیتا ہے اور اگر خرید لیتا ہے تو نقصان نہ خریدار کو ہوتا ہے اور نہ ہی بائع کو؛ لیکن خریدار ہر حال میں دوراہے پر کھڑا رہتا

---

(۱) نهاية المهتاج :۴۷۶/۳، مغنى المحتاج:۳۳۱/۶، نيل الأوطار:۱۷۳/۵

(۲) المجموع:۳۳۵/۹، اعلاء السنن:۱۷۳/۱۴

(۳) النساء:۲۹

ہے کہ آیا وہ متعینہ شئ خریدے گا بھی یا نہیں؟ گویا اس معاملہ میں نفع ونقصان دونوں کا برابر برابر امکان ہے، نیز معاملہ کا ہونا نہ ہونا موہوم رہتا ہے، یہی جوا کی حقیقت ہے؛ اسی لئے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس کی ممانعت کی وجہ قمار بتائی ہے :

ونهى عن بيع العربان أن يقوم إليه شئ من الثمن فإن اشترى حسب من الثمن وإلا فهو له مجانا ، وفيه معنى الميسر . (۱)

حضور اقدس ﷺ نے بیع عربان سے منع فرمایا اور وہ یہ ہے کہ کچھ قیمت پیشگی دے دی جائے ، اگر وہ خرید لے تو قیمت میں سے کٹ جائے ، ورنہ بلاعوض وہ ہی (بائع) مالک ہوجائے ، اس میں جوئے کا معنی پایا جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ بیعانہ پر معاملہ کرنا باطل و ناجائز ہے اور یہ جوا میں داخل ہے؛ البتہ یہ صورت کہ خریدار کسی مجبوری کے تحت اگر طے شدہ سامان خرید نہ سکے تو اس کی دی ہوئی پیشگی رقم اس کو واپس کردی جائے گی جائز و درست ہے؛ کیوں کہ اس میں معاملہ کو فاسد کرنے والی کوئی بات موجود نہیں ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁

(۱) حجۃ اللہ البالغۃ مع اُردو ترجمہ: ۲/۲۶۳

جوا اور جوئے کی مروجہ شکلیں

چوتھا باب

جوائے کے مروجہ معاملات

قمار آمیز معاملات کی کچھ اور صورتیں

گذشتہ باب میں قمار آمیز معاملات کی مختلف صورتیں بیان کی گئی ہیں، جن میں اکثر ہمارے معاشرہ میں رائج ہیں؛ لیکن ان کے علاوہ دورِ حاضر میں اور بھی بہت سے معاملات ہیں جن میں قمار یا قمار کی آمیزش پائی جاتی ہے؛ اس لئے وہ ناجائز ہیں، اب ان معاملات کو زیب قرطاس کیا جاتا ہے، جن کا ہمارے اکابر علماء نے اپنی کتبِ فقہ وفتاویٰ میں ذکر کیا ہے۔

قرعہ اندازی کی ایک خاص صورت

آج کل بڑی بڑی کمپنیوں سے لے کر چھوٹے چھوٹے صنعت کار تک اپنے سامان کو لوگوں کے لئے پرکشش بنانے کی غرض سے طرح طرح کی اسکیمیں بناتے رہتے ہیں، ان ہی میں سے ایک اسکیم ''قرعہ اندازی'' کی ہے، جو اس وقت کثرت سے رائج ہے۔

عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ تاجر یا کمپنی وغیرہ ممبر سازی کے ذریعہ سائیکل، موٹر سائیکل، ٹی وی، ویڈیو وغیرہ فروخت کرتے ہیں اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی چیز کی اصل قیمت بازار میں مثلاً پانچ ہزار روپے ہے تو وہ لوگ پوری رقم یکمشت لینے کے بجائے سو روپے ماہانہ ادا کرنے والے تین سو ممبر پینتالیس ماہ کے لئے بناتے ہیں اور ہر ماہ پابندی کے ساتھ قرعہ اندازی کی جاتی ہے، اگر پہلے ماہ ہی میں کسی ممبر کا نام قرعہ اندازی سے نکل آتا ہے تو اس کو صرف سو روپے میں پانچ ہزار کی چیز مل جاتی ہے اور اگر کسی کا نام دوسرے ماہ میں نکلا تو پانچ ہزار کی چیز اسے صرف دو سو روپے میں مل جاتی ہے، اسی طرح ہر ماہ قرعہ اندازی میں نام نکلنے والے کو وہ چیز جمع شدہ رقم کے عوض ملتی رہے گی، اب پینتالیسویں ماہ میں جتنے ممبر باقی رہیں گے سبھوں کو وہ چیز دے دی جائے گی۔

اس میں اسکیم چلانے والے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کو پہلے ماہ میں تیس ہزار روپے مل جاتے ہیں، جس سے صرف پانچ ہزار روپے کی چیز اسے دینی پڑتی ہے اور باقی پچیس ہزار روپے اپنی تجارت میں لگالیتا ہے، یا کسی دوسری ضرورت میں اسے صرف کرتا ہے، اس طرح اسکیم چلانے والے کو چوالیس ماہ تک کچھ نہ کچھ رقم بچتی رہتی ہے اور صرف پانچ ہزار کی چیز دینی پڑتی ہے۔

ممبروں کا فائدہ اس میں یہ ہے کہ پہلے ماہ کی قرعہ اندازی میں نام نکلنے والے کو سو روپے میں، دوسرے ماہ میں نام نکلنے والے کو دوسو روپے میں اور تیسرے ماہ میں نام نکلنے والے کو تین سو روپے میں پانچ ہزار کی مقررہ چیز مل جاتی ہے اور جس کا نام قرعہ میں نکل آتا ہے، پھر اس کو بقیہ رقم بھرنی نہیں پڑتی اور اس کا نام دوبارہ قرعہ میں بھی نہیں ڈالا جاتا ہے اور یہ معاملہ فریقین کی رضامندی سے طے ہوتا ہے، چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحبؒ رقمطراز ہیں :

> یہ معاملہ شرعاً درست نہیں، وقتِ عقد ثمن مبیع متعین ہونا چاہئے، وہ یہاں متعین نہیں؛ بلکہ مجہول میں کمی زیادتی ظاہر ہے، جتنی رقم دی ہے، اس پر زیادتی کو نسے عقد کی بناء پر ہے اس کو قمار بھی کہا جاسکتا ہے اور ربا بھی۔(۱)

مفتی شبیر احمد قاسمی (مرادآباد) لکھتے ہیں :

> قرعہ اندازی اور اسکیم کا یہ معاملہ شرعی طور پر سود اور قمار دونوں کے دائرہ میں داخل ہے؛ اس لئے اس طرح کی اسکیم میں حصہ لینا اور قرعہ اندازی سے طے شدہ اشیاء حاصل کرنا ناجائز وحرام ہے۔(۲)

غرض کہ یہ اسکیم شرعی طور پر سود اور قمار دونوں شامل ہے؛ کیوں کہ اس میں یہ معلوم

---

(۱) فتاویٰ محمودیہ: ۳۱۱/۱۱

(۲) ایضاح النوادر: ۱۲۳/۱-۱۲۵

نہیں ہوتا ہے کہ پہلے ماہ کی قرعہ اندازی میں کس کا نام نکلے گا یا دوسرے ماہ کی قرعہ اندازی میں کس کا نام آئے گا؟ یہ محض بخت واتفاق پر مبنی ہوتا ہے، فقہاء کے نزدیک اسی کو جوا کہتے ہیں؛ لہٰذا اس طرح کی اسکیم چلانا اور اس میں حصہ لینا اور قرعہ اندازی سے طے شدہ اشیاء کا حاصل کرنا شرعاً ناجائز ہے اور اس سے اجتناب واحتراز ضروری ہے۔

انعامی اسکیموں کے ساتھ چیزیں فروخت کرنا

کچھ عرصہ سے بہت سی کمپنیاں اور کارخانوں کے مالک اپنے ناقص سامان کو زیادہ سے زیادہ فروخت کرنے کے لئے مختلف اسکیمیں بناتے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اپنی مصنوعات کے ہر پیکٹ میں ایک سے پانچ یا سات تک کوئی ایک نمبر ہوگا، لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اگر وہ یہ نمبر پورے جمع کرلیں تو انھیں ایک عدد گھڑی، گانوں کی کوئی کیسٹ یا کوئی اور قیمتی چیز بطور انعام دی جائے گی، انعام حاصل کرنے کی لالچ میں لوگ بلا سوچے سمجھے ناقص اور صحت کے لئے نقصان دہ چیزیں خریدتے جاتے ہیں، اس طرح ایک طرف تو یہ اپنی محنت کا پیسہ برباد کرتے ہیں اور دوسری طرف بعض اوقات اپنی صحت کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں۔

یہ انعامی اسکیم غریب و نادار لوگوں کے ساتھ ظلم ہے؛ کیوں کہ یہ انھیں بے جا فضول خرچی اور غیر ضروری خریداری کی طرف صرف انعام کی لالچ میں راغب کررہی ہیں، جس کے نتیجہ میں ایک عام آدمی کے محدود مالی وسائل نہ صرف متاثر ہوتے ہیں؛ بلکہ اس کے لئے مالی مشکلات اور ذہنی پریشانیوں کا باعث بھی بنتے ہیں؛ کیوں کہ ان انعامی اسکیموں کے جاری کرنے والے مفاد پرست عناصر نے کمال ہوشیاری کے ساتھ ایسے حربے اپنائے ہیں کہ اول تو انعام نکلتا ہی نہیں اور اگر نکلتا ہے تو بھی لاکھوں خریداروں میں سے صرف ایک آدھا کا، نتیجہ ظاہر ہے کہ عام لوگوں کو مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

اس اسکیم کو کمپنی کی طرف سے انعامی کوپن کا بڑا دلکش نام دیا جاتا ہے؛ لیکن اگر غور

سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ کمپنی انعام کے نام پر اپنی چیزیں فروخت کرتی ہیں اور خریداروں میں سے ہر خریدار گویا اس نام پر ہی چیزیں خریدتا ہے کہ اس سے انعام ملے گا، گویا اس اسکیم و کاروبار کا خلاصہ خرید وفروحت بشرط انعام ہے اور شرعاً ایسی خرید وفروحت ناجائز و باطل ہے، جس میں کوئی ایسی خارجی شرط لگائی جائے جس میں فریقین میں سے کسی ایک کا نفع ہو؛ کیوں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایسی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے جس میں شرط لگائی جائے، جیسے حدیث نبوی ہے :

أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن بیع و شرط . (۱)

حضور اقدس ﷺ نے شرط کے ساتھ بیع سے منع فرمایا ہے۔

اور اگر شرط کے ساتھ خرید وفروخت کی ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بیع اور شرط دونوں فاسد ہے۔(۲)

دوسری طرف اس میں اکثر انعام ملتا ہی نہیں یہ ''غرر کثیر'' اور دھوکہ دہی ہے اور غرر قمار کی اقسام میں سے ہے؛ اس لئے انعامی اسکیم کا یہ طریقہ شرعاً ناجائز وحرام ہے۔(۳)

بند ڈبوں کی تجارت

بازاروں اور نمائشوں میں مختلف مالیت کے بند ڈبے فروخت کئے جاتے ہیں کہ کسی میں ایک پیسہ کا بھی مال نہیں ہوتا ہے اور کسی میں زیادہ مال ہوتا ہے، لوگ اس کو قسمت آزمائی سمجھ کر اختیار کرتے ہیں، یہ بھی کھلی ہوئی قمار بازی اور جوا ہے؛ اس لئے یہ ناجائز وحرام ہے۔(۴)

---

(۱) المعجم الأوسط للطبرانی:۳۳۵/۴، نصب الرایة:۱۷/۴

(۲) نصب الرایة:۱۷/۴

(۳) دیکھئے: آپ کے مسائل اور ان کا حل:۲۷۵/۶-۲۷۷

(۴) دیکھئے: جواهر الفقه:۳۴۴/۲

گاہکوں کے لئے ترغیبی انعام

دورِ حاضر میں سوداور قمار کے نت نئے طریقے ایجاد ہو چکے ہیں، ان میں بعض تو ظاہر و باطن ہر دو اعتبار سے قمار ہیں، جب کہ بعض میں صرف اس کا شائبہ پایا جاتا ہے، نیز کچھ معاملات ایسے بھی ہیں، جن میں نہ تو سود ہے اور نہ ہی قمار؛ البتہ اس کے اندر قمار ہی کا جذبہ کارفرما ہے۔

ان ہی میں سے وہ رواج ہے جو آج کل چل پڑا ہے کہ جب مارکیٹ میں سامان پہنچ جاتا ہے تو جس سامان کی قیمت مثلاً سو روپے کے اوپر ہوتی ہے، اس میں خریدار کو اختیار دیا جاتا ہے کہ چاہے وہ سامان کی قیمت (دس فیصد) Ten Persent سے کم ادا کرے یا پوری قیمت ادا کر کے انعامی کارڈ لے لے، انعامی کارڈ لینے کی صورت میں جو چیز کوپن سے نکل آتی ہے وہ چیز اسے فوراً مل جاتی ہے اور انعام میں کوئی نہ کوئی سامان ضرور ہوتا ہے۔

خریداری کی اس صورت میں چوں کہ مبیع اور ثمن دونوں متعین ہوتے ہیں اور ہر خریدار کو اپنی مبیع حاصل ہو جاتی ہے، پھر کمپنی والے اپنے منافع میں سے کوئی چیز اپنے متعین کردہ ضابطے کے مطابق انعام میں دیتے ہیں؛ اس لئے یہ صورت جائز و درست ہوگی، یہ تو مسئلہ کا ظاہری پہلو ہے؛ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ کاروبار کے اس طریقہ کے پیچھے ذہنی قمار ہی کارفرما ہے؛ اس لئے ایسے معاملہ کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہئے؛ بلکہ حوصلہ شکنی کی جانی چاہئے اور موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے اس میں کراہت کا پہلو ضرور ہے، یہی رائے حضرت الاستاذ فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب حفظہ اللہ ورعاہ کی بھی ہے۔(۱)

انعامی کمیٹی

انعامی کمیٹی کا طریقہ یہ ہے کہ ایک آدمی یا چند آدمی کسی نام سے ایک کمیٹی قائم کرتے ہیں اور اس میں مثلاً: دس ہزار ممبر بناتے ہیں اور ہر ممبر سے دس روپے فیس لی جاتی ہے، کل

(۱) مستفاد از: اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۲۷۵

رقم ایک لاکھ ہو جاتی ہے اور اس رقم سے وہ اپنا کاروبار چلانا شروع کرتے ہیں اور ممبران کو ان کی اصل رقم (دس روپے) اس طریقہ سے واپس کرتے ہیں کہ ہر ماہ پانچ سو روپے کے انعامات کھولے جاتے ہیں، آٹھ انعامات پچیس پچیس روپے کے اور ایک انعام تین سو روپے کا اور ان انعامات کو بذریعہ قرعہ اندازی نامزد کیا جاتا ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ تمام ممبران کے ناموں کو الگ الگ پرچوں پر لکھ کر اسے ایک ڈبہ میں ڈالا جاتا ہے، پھر اس میں سے نو پرچے ہر ماہ نکالے جاتے ہیں، جس ممبر کا نام قرعہ میں نکل آتا ہے، اس کو پرچی پر لکھی ہوئی رقم کے مطابق رقم دی جاتی ہے، اسی طرح یہ سلسلہ پانچ سال تک چلتا رہتا ہے اور ہر ماہ نو نو پرچے نکالتے رہتے ہیں اور پرچہ پر لکھی ہوئی رقم کے مطابق ہر ممبر کو رقم ملتی رہتی ہے اور جس ممبر کو رقم مل جاتی ہے، اسے دوبارہ قرعہ میں شامل نہیں کیا جاسکتا ہے اور اس کا تعلق کمیٹی سے باقی نہیں رہتا ہے، پانچ سال بعد بقیہ ۹۴۶۰ ممبران کے لئے کمیٹی نے جو بونس (نفع) شروع میں مقرر کیا ہے، وہ مع اصل رقم کے واپس کر دیتی ہے۔(۱)

کمیٹی قائم کر کے ممبر بنانے کا یہ طریقہ درست نہیں ہے؛ کیوں کہ اس میں قمار اور سود دونوں شامل ہیں، سود اس لئے کہ جو بونس اخیر میں ۹۴۶۰ ممبروں کو دیا جارہا ہے وہ اس کمیٹی میں شریک ہوتے وقت ہی متعین کر دیا جاتا ہے اور اسی کو سود کہتے ہیں، پھر قرعہ اندازی کے ذریعہ جو ہر ماہ بعض کو تین سو اور بعض کو پچیس روپے ملتے ہیں، یہ بلا محنت بغیر استحقاق کے ملتے ہیں، اسی کا نام شریعت میں جوا ہے؛ اس لئے ایسے ادارے میں ممبر بننا جائز نہیں ہے؛ بلکہ یہ معصیت اور گناہ میں تعاون ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے:

''وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ''۔(۲)

نمائشوں کے انعامی ٹکٹ

آج کل نمائشوں میں یہ طریقہ بھی مروج ہے کہ نمائش گاہ کے اندر جانے کے لئے

(۱) احسن الفتاوی:۲۰۸/۸

(۲) المائدۃ:۲

ٹکٹ متعین ہوتا ہے اور نمائش کے منتظمین کی طرف سے یہ سہولت ملتی ہے کہ جو شخص مثلاً: دس ٹکٹ یکمشت خرید لے گا اسے ایک ٹکٹ مزید دیا جائے گا، جس کی وجہ سے دس ٹکٹ خریدنے والا شخص بھی نمائش گاہ میں داخل ہونے کا مستحق ہو سکے گا؛ بلکہ یکمشت ٹکٹ خریدنے والے کے لئے انعام بھی مقرر ہوتا ہے، جس کی ادائیگی قرعہ اندازی کے ذریعہ کی جاتی ہے۔

یہ صورت اگر چہ صریح قمار کی نہیں ہے؛ کیوں کہ ٹکٹ کے دس خریدار مہیا کرنے پر اس نے جو محنت کی تھی اس کا معاوضہ اسے بطور داخلہ نمائش گاہ میں ملتا ہے، جو حقیقت میں اُجرت ہے اور شرعاً اُجرت لینا درست ہے؛ البتہ اگر اس شخص کی نیت ہی موہوم انعام کا حاصل کرنا ہو تو وہ ایک گونہ ''قمار'' کا ارتکاب کر رہا ہے؛ اس لئے اسے اس سے بچنا چاہئے؛ لیکن اگر کوئی شخص صرف نمائش دیکھنے کی غرض سے گیا اور اسے دس اور نمائش گاہ دیکھنے والے مل گئے اور ان سب کا پیسہ اکٹھا کر کے اس نے سب کے لئے یکمشت ٹکٹ خریدا اور پھر اسے مفت ایک اور ٹکٹ یا انعام مل گیا تو وہ قواعد کی رو سے ''قمار'' کا مرتکب نہیں کہلائے گا۔(۱)

شرکت میں نفع ونقصان کو قرعہ سے تقسیم کرنا

بعض لوگ برابر رقم لگا کر شرکت میں کاروبار کرتے ہیں، شروع سے یہ بات طے کر لیتے ہیں کہ ہر ماہ قرعہ اندازی میں جس کا نام نکل آئے گا وہی نفع ونقصان کا ذمہ دار ہوگا، خواہ ہر ماہ ایک ہی آدمی کے نام قرعہ نکلتا رہے، اس کو اعتراض نہیں ہوگا، اس سلسلہ میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں :

یہ طریقہ مکمل طور پر قمار یعنی جوا ہے، اس لئے شرکت کا یہ طریقہ ناجائز وحرام ہے۔(۲)

قسطوں پر روپیہ جمع کر کے سامان حاصل کرنا اور انعام لینا

تجارت کے مروجہ طریقوں میں سے ایک یہ ہے کہ قسطوں پر روپیہ جمع کر کے سامان

(۱) مستفاد از: جواہر الفقہ: ۳۴۵/۲

(۲) آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸۹/۶

حاصل کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ قرعہ اندازی میں نام نکل آنے پر کوئی زائد چیز بہ طور انعام بھی دی جاتی ہے۔

اس کی یہ صورت ہوتی ہے کہ کوئی تاجر، یا کمپنی سائیکل یا سلائی مشین وغیرہ کے سلسلہ میں بیس ماہ کے لئے خریداروں کو ممبر بناتی ہے، ہر خریدار کو خریداری نمبر دیتی ہے اور ہر خریدار مثلاً بارہ روپے بیس ماہ تک جمع کرتا رہتا ہے، اس طرح ہر خریدار بیس ماہ میں کل رقم مبلغ دوسو چالیس روپے جمع کر دیتا ہے تو وہ شئ خریدار کو دی جاتی ہے اور ان ممبروں کی ترغیب وتحریص کے لئے تاجر یا کمپنی ہر ماہ قرعہ اندازی بھی کرتی ہے اور جس کا نام قرعہ اندازی میں نکل آتا ہے اسے یہ اختیار ملتا ہے کہ اب چاہے تو قسطیں بند کر دے اور یہ سائیکل لے لے، یا دوسری سائیکل قسطوں کے اختتام پر حاصل کرلے، اس شکل کو بیع سلم مانا جائے گا یا نہیں؟ اور یہ جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ (م:۱۹۹۶ء) کا فتویٰ ملاحظہ فرمایئے :

> بیع سلم کے لئے مجلس عقد میں (رأس المال) ثمن پر مسلّم الیہ کا قبضہ ضروری ہے، وہ یہاں مفقود ہے، اگر ثمن کا کچھ حصہ دے دیا جائے اور کچھ حصہ مسلم الیہ کی طرف بطور دین کے ذمہ میں پہلے سے تھا تو مقدار دین میں بیع سلم باطل ہوجائے گی اور صرف مقدار مخصوص میں صحیح رہے گی۔
>
> فإن أسلم مائتی درهم فی کر ... بر ... مائة دينار عليه أی على المسلم إليه ومائة نقدًا نقدها رب السلم وافترقا على ذلک فالسلم فی حصة الدين باطل . (۱)
>
> اور صورتِ مسئولہ میں تو بائع کے ذمہ مقدار بائع کو دی جائے

(۱) درمختار مع الشامی:۴/۲۰۹، ط: مکتبہ نعمانیہ۔

اور پھر اس قرض کے عوض سائیکل خریدی جائے تو یہ بیع مداینہ کے قبیل سے ہوجائے گی، ہر ماہ ایک سائیکل انعام میں دینا لالچ دے کر خریداروں کو بڑھانا ہے کہ خریدار بلاضرورت مبلغ بارہ روپے ماہانہ جمع کرادیا کریں، پھر ایک سائیکل تو بہر حال ملے گی ہی، ممکن ہے کہ انعام بھی نکل آئے، اگر اس انعام کی صورت میں خریدار کا روپیہ ضائع ہونے کی صورت نہیں، جیسا کہ صورتِ مذکور سے ظاہر ہوتا ہے اور قیمت بھی پوری دیتا ہے، یہ نہیں کہ قیمت پوری ہونے سے پہلے (خواہ ایک ہی خط پر سہی) اگر نام نکل آئے تو سائیکل مل جائے اور بقیہ قیمت ساقط ہوجائے، تب تو یہ صورت جائز معلوم ہوتی ہے، ورنہ تو یہ جوئے کی شکل میں ہوکر ناجائز ہوجائے گی۔(۱)

پری پیمنٹ اسکیم

بعض لوگ ایسی اسکیم چلاتے ہیں جس میں چند ممبران اور ایک نگران اعلیٰ ہوتے ہیں اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اس میں ڈھائی سو ممبران پچاس ماہ کے لئے بنائے جاتے ہیں اور نگران اعلیٰ بعض ممبر سے ماہانہ ایک سو روپے اور بعض سے دو سو روپے وصول کرتا ہے اور ہر ماہ قرعہ اندازی کرتے ہیں اور قرعہ میں اگر ایک سو والے کا نام نکل آتا ہے تو اس کو پانچ ہزار روپے اور اگر دو سو والے کا نام نکل آتا ہے تو اس کو دس ہزار روپے دیتے ہیں اور اخیر ماہ میں بقیہ تمام ممبران کو اپنی جمع کردہ رقومات واپس مل جاتی ہیں، ایک بار قرعہ اندازی میں جن لوگوں کا نام نکل آیا دوبارہ نہ تو اس کا نام قرعہ اندازی میں شامل کیا جاتا ہے اور نہ ہی ان سے بقیہ اقساط وصول کی جاتی ہیں؛ بلکہ ان کی بقایا اقساط کی ادائیگی کی ذمہ داری

(۱) فتاویٰ محمودیہ: ۱۳/۳۵۶، نیز دیکھئے: آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶/۲۶۹

نگران اعلیٰ پر ہوتی ہے؛ کیوں کہ ہر ماہ قرعہ میں نام نکلنے والے ممبر کو رقم ادا کرنے کے بعد جو رقم بچتی ہے اس کے لئے ممبران نے یہ حق دیا ہے کہ ان کی اس رقم سے نگران اعلیٰ پچاس ماہ تک جو چاہیں کاروبار کریں؛ لیکن پچاس ماہ کی مدت کے بعد باقی تمام ممبران کو مقررہ وقت پر ان کی تمام جمع شدہ رقم بغیر کسی نفع یا نقصان کے واپس کرنی ہوگی؛ اس لئے نگران اعلیٰ اپنا نقصان کو پورا کرنے کے لئے ان کی جمع کی ہوئی رقومات سے کاروبار کرتے ہیں۔

مذکورہ اسکیم کھلا ہوا قمار اور سود ہے؛ کیوں کہ اس اسکیم میں اہم شرط یہ ہے کہ جس ممبر کا نام بھی قرعہ میں نکل آیا اس سے بقیہ اقساط نہیں لی جائیں گی اور نام نکل آنے پر اسے مقررہ رقم دی جاتی ہے، دوسری طرف یہ کہ رقم جمع کرانے کا مقصد زیادہ رقم حاصل کرنا ہوتا ہے اور اسکیم جاری کرنے والے نگران اعلیٰ کی تحریک بھی یہی ہوتی ہے کہ ہر ممبر قرعہ اندازی میں حصہ لے کر نام نکلنے پر زائد رقم حاصل کرے، اس وجہ سے اس میں جوا اور سود دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں جو کہ حرام و ناجائز ہیں؛ لہٰذا اس اسکیم میں شرکت اور تعاون کرنا حرام ہے اور جس شخص کو سو روپے کے بدلے پانچ ہزار روپے اور دوسو روپے کے بدلے دس ہزار روپے ملتے ہیں، وہ زائد رقم اس کے لئے جائز نہیں، (۱) بلانیت ثواب غرباء پر خرچ کردے۔ (۲)

قسطوں پر کوئی شئ خریدنا

ایک موٹر سائیکل جو نقد لینے سے پانچ ہزار روپے میں ملتی ہے اور قسط وار لینے سے پانچ ہزار پانچ سو روپے میں ملتی ہے تو کیا ایسی چیز کو قسطوار لینا جائز ہے؟ اس سلسلہ میں مولانا مفتی محمود حسن صاحب ایک سوال کے جواب میں رقم طراز ہیں :

> نقد اور اُدھار کی قیمت میں فرق ہونا منع نہیں، مگر قسطیں متعین ہوجائیں اور پھر یہ نہ ہو کہ کسی قسط کے وقت متعین پر وصول نہ ہونے سے مزید اضافہ قیمت میں کیا جائے، وصول شدہ رقوم

---

(۱) مستفاد از: آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲۶۶/۶-۲۶۸

(۲) رد المحتار، کتاب الحظر و الاباحة، فصل فی البیع: ۲۷۳/۵

ہی ضبط ہو پائے اور موٹر سائیکل بھی ہاتھ سے چلی جائے، ایسی صورت ہوتو شرعاً یہ معاملہ درست نہیں؛ بلکہ اس میں سود اور جوا ہوگا، ان دونوں کی ممانعت نصوص میں مذکور ہے۔(۱)

قسطوں پر زمین کی خرید وفروخت

آج کل یہ بھی رائج ہے لوگ غریبوں کی آسانی کے نام پر ان کے خون پسینہ کی کمائی کو چوستے رہتے ہیں، ان میں سے ایک یہ کہ معمولی قیمت کی چیز کو قسطوار روپے وصول کرنے کی اسکیم کے تحت زیادہ قیمت میں فروخت کیا جائے، پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ نقد اور اُدھار میں قیمت کے اعتبار سے فرق ہونا شرعاً ممنوع نہیں ہے؛ لیکن اس کے پیچھے جو شرائط ہوتی ہیں ان کی وجہ سے معاملہ عموماً صحیح نہیں ہو پاتا ہے۔

زمین کو قسطوار بیچنے کی ایک صورت یہ ہے کہ مثلاً سو گز زمین کی قیمت 30000 روپے متعین کی جاتی ہے اور خریدار کو پابند کیا جاتا ہے کہ اس میں سے 5000 روپے نقد ادا کرے اور بقیہ رقم (25000 کو) ماہانہ 1000 روپے کے حساب سے 25 ماہ تک مسلسل ادا کرے، اگر معاملہ صرف اتنا ہی ہوتو غریبوں کو واقعتاً آسانی ہوگی اور ان حضرات کا یہ عمل قابل ستائش ہے؛ لیکن افسوس کی بات ہے کہ بعض لوگ اس میں ایک اور شرط لگادیتے ہیں کہ قسطوار خریدنے والے شخص نے اگر ہر ماہ 1000 روپے کی ادائیگی میں کسی وجہ سے تاخیر کی تو اس کے جرمانہ میں وہ کچھ زائد رقم ادا کرے گا، مثلاً: ایک مہینہ تک کوئی خریدار جمع کرنے میں ناغہ کردے تو 1000 روپے کے بجائے 1050 روپے، اگلے ماہ میں جمع کرنا ہوگا، یہ 50 روپے ظاہر ہے کہ سود ہے، جو کسی طرح درست نہیں ہے۔

اگر اس شخص نے مزید تاخیر کی اور مسلسل تین ماہ تک اپنی قسط جمع نہ کرسکا تو سود کی شرح مزید بڑھادی جاتی ہے اور بعض دفعہ یہ شرط بھی شامل ہوتی ہے کہ اگر خریدار مسلسل چھ

(۱) فتاوی محمودیہ: ۱۳/۳۵۰

ماہ یا ایک سال (حسب ضابطہ) تک اپنی قسط جمع نہ کرسکا تو اس کے پہلے کی جمع شدہ رقم ضبط ہوجائے گی، ظاہر ہے یہ بھی سود ہے، جس کی وجہ سے معاملہ باطل قرار پاتا ہے۔(۱)

اس میں سود و قمار کے علاوہ ایک اور خرابی یہ ہے کہ جب تک خریدار مکمل قسط ادا نہیں کرتا، اس وقت تک اس کو خریدی ہوئی زمین قانونی طور پر سپرد نہیں کی جاتی ہے، یعنی اس زمین کے متعلق کاغذات میں اس کا نام شامل نہیں کیا جاتا؛ بلکہ بائع (قسطوار دینے والے) ہی کے قبضہ میں رہتا ہے؛ حالاں کہ مبیع خریدار کے سپرد کرنا ایک لازمی شرط ہے۔

قرعہ ڈال کر ایک دوسرے سے کھانا

آج کل بعض نوجوانوں میں قرعہ ڈالنے کا یہ طریقہ بھی رواج پا رہا ہے کہ چند لوگ روزانہ ایک ہوٹل میں جمع ہوجاتے ہیں اور آپس میں قرعہ اندازی کرتے ہیں، جس کا نام نکلتا ہے وہی کھلاتا ہے اس میں اکثر ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کسی آدمی کا نام ہفتہ میں چار مرتبہ بھی آجائے کسی کا دو مرتبہ اور کسی ایک مرتبہ بھی نہیں آئے اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ کبھی کبھار ہوٹل میں ملاقات ہوجاتی ہے تو آپس میں قرعہ اندازی کرتے ہیں پھر جس کا نام نکل آتا ہے وہ آج کے تمام اخراجات کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

قرعہ اندازی کرکے کھلانے پلانے کا یہ طریقہ صریح قمار ہے اور یہ جائز نہیں ہے؛ البتہ پہلی صورت اس طرح ہو کہ جس کا نام ایک بار قرعہ میں نکل آئے، آئندہ اس کا نام قرعہ اندازی میں شامل نہ کیا جائے، یہاں تک کہ تمام رفقاء کی باری پوری ہوجائے تو جائز ہے، دوسری صورت میں تو کسی طرح بھی جائز نہیں ہے؛ اس لئے اس طریقہ سے کھانا پینا نہیں چاہئے۔(۲)

ممبر در ممبر بنانے کی اسکیم

آج کل ایسے ادارے بھی ہیں جو ممبر در ممبر اسکیم چلاتے ہیں، اس کی صورت یہ ہوتی

---

(۱) نصب الرایۃ: ۴/۱۷

(۲) دیکھئے: آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶/۲۶۲

ہے کہ ادارہ ایک آدمی کو ممبر بناتا ہے اور اس سے پانچ سو روپے فیس لیتا ہے اور اس کے ذمہ یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ مزید پانچ ممبر ادارہ کے لئے بنائے، جب وہ ایک آدمی کو ادارہ کا ممبر بنادیتا ہے تو اس شخص کو دوسو روپے ملتے ہیں اور جب پانچ ممبر کی تعداد مکمل کردیتا ہے تو اسے مزید آٹھ سو روپے ملتے ہیں، اس طرح اسے ایک ہزار روپے مل جاتے ہیں، ادارہ ہر نئے ممبر سے پانچ سو روپے ممبری فیس وصول کرتا ہے اور اس پر یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ ادارے کے لئے پانچ ممبر بنائے اور اس طرح ممبر بنانے کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، جب بھی ادارہ میں نئے ممبر کا اضافہ ہوتا ہے تو ادارہ کو بلامحنت ومشقت مفت میں تین سو روپے کا فائدہ ہوجاتا ہے اور ممبر کو بلاعوض دوسو روپے کا فائدہ ہوتا ہے۔

یہ اسکیم کھلی ہوئی قمار بازی ہے اور سود کا مجموعہ ہے؛ اس لئے یہ صورت ناجائز وحرام اور باطل قرار پاتی ہے۔

انعامی باؤنڈز خریدنا

انعامی باؤنڈز کے نام سے بینک جب کوئی سیریز (Series) نکالتا ہے تو اس (Bonds) کو لوگ خریدتے ہیں، اس (Series) کے ذریعہ جو رقم عوام سے بینک وصول کرتا ہے، اسے بینک عموماً سودی قرضہ پر لگادیتا ہے، پھر (Bank) سود وصول کرکے اس میں سے کچھ اپنے لئے رکھتا ہے اور کچھ قرعہ اندازی کے ذریعہ ان لوگوں میں تقسیم کردیتا ہے، جنھوں نے (Price Bonds) خریدے تھے۔

(Price Bonds) میں ملنے والی رقم ناجائز وحرام ہے؛ کیوں کہ قرعہ اندازی کی جو رقم عوام کو ملتی ہے، وہ اصل میں سود ہی کی رقم ہوتی ہے اور اگر یہ شکل ہو کہ (Bank) اس رقم کو سودی قرضہ پر نہ دے؛ بلکہ اس کو کسی اور جائز کاروبار میں لگادے اور اس کاروبار سے جو نفع ہو، وہ نفع قرعہ اندازی کے ذریعہ (Bond) خریدنے والوں کو تقسیم کردے، پھر بھی یہ (Price Bonds) پر ملنے والی رقم جائز نہیں ہوگی، اس کے ناجائز ہونے کی کئی وجوہ ہیں :

۱- پارٹنرشپ (Partner Ship) کے بزنس میں نفع ونقصان دونوں کا احتمال ہوا کرتا ہے، جب کہ یہاں (Bank) کی طرف سے نقصان کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

۲- شرعی اُصول کے مطابق پارٹنرشپ (Partner Ship) کے کاروبار میں جب نفع ہوتا ہے تو اس نفع میں سے Partner (شریک) کو حصہ رسدی کے اعتبار سے نفع ملنا چاہئے، شرکاء کے درمیان نفع کی تقسیم قرعہ اندازی کے ذریعہ کرنا کھلا ہوا قمار ہے؛ کیوں کہ اس میں کچھ کو تو نفع ملتا ہے؛ جب کہ بعض کو بالکل نہیں ملتا ہے، بینک والے اگر چہ اسے انعام کا نام دیتے ہیں؛ لیکن زہر کو اگر کوئی تریاق کہے تو وہ تریاق نہیں بنتا؛ بلکہ زہر اپنی جگہ زہر ہی رہتا ہے؛ اس لئے یہ انعام نہیں، حقیقت میں قمار اور سود ہے، جو شرعاً درست نہیں۔(۱)

چٹھی ڈالنا

آج کل دوکاندار وغیرہ میں چٹھی ڈالنے کا رواج عام ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ چند آدمی آپس میں ملکر قرعہ اندازی کے ذریعہ یا کسی اور طریقہ سے ایک صدر منتخب کرتے ہیں اور جملہ حضرات اس کے پاس یومیہ روپیہ جمع کرتے ہیں اور ہر ماہ قرعہ اندازی کے ذریعہ کسی ایک کو اس پوری رقم کا مستحق قرار دیتے ہیں، مثلاً: بیس افراد پر مشتمل کمیٹی بنائی جاتی ہے اور ہر شخص یومیہ ایک سو روپے صدر کمیٹی کے پاس جمع کرتا ہے، تمام افراد کا روپیہ مل کر ایک ماہ میں ساٹھ ہزار روپے ہوجاتا ہے، اس رقم کو پہلے ماہ میں صدر کمیٹی کو بلا قرعہ اندازی کے دے دیتا ہے، دوسرے ماہ سے باقی انیس افراد کے نام قرعہ اندازی کی جاتی ہے، جس شخص کا نام قرعہ میں نکل آتا ہے اس کو ایک ماہ کی جملہ رقم ساٹھ ہزار دے دی جاتی ہے، اسی کو بعض علاقوں میں ''کمیٹی'' اور بعض علاقوں میں ''بیسی ڈالنا'' بھی کہتے ہیں۔

اس میں ہر شخص کو اپنی جمع کی ہوئی رقم مکمل طور پر مل جاتی ہے، نہ اس میں زیادہ ملتی ہے اور نہ ہی کم؛ البتہ اس میں اتنی بات ضرور ہے کہ ہر آدمی کو تقدیم وتاخیر سے رقم ملتی ہے۔

---

(۱) دیکھئے: احسن الفتاویٰ: ۲۶/۷، آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲۷۲/۶

چٹھی ڈالنے کی یہ صورت شرعاً جائز ہے؛ جب کہ باری باری سب کو ان کی رقم واپس مل جاتی ہیں، یہ ایک دوسرے کے تعاون اور قرضِ حسنہ کی صورت ہے؛ اس لئے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔(۱)

البتہ یہ ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص درمیان میں اس میں سے نکلنا چاہے تو حسب ضابطہ نکلنے کی اجازت ہونی چاہئے اور کسی کا انتقال ہوجائے تو اس کی رقم بھی اس کے ورثہ کو واپس ملنی چاہئے۔

چٹھی کی ایک ناجائز صورت

چٹھی ہی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ایک کمیٹی کل سو ممبر پندرہ ماہ کے لئے بناتی ہے اور ہر ممبر سے یومیہ سو روپیہ وصول کرتی ہے، ہر ماہ قرعہ اندازی کرتی ہے اور جس ممبر کا نام قرعہ میں نکل آتا ہے وہ پندرہ ماہ میں جتنی رقم جمع کرنی پڑے گی، اتنی رقم اسی وقت وہ لے لیتا ہے اور بقیہ مہینوں میں اسے کوئی رقم کمیٹی والوں کو ادا نہیں کرنی پڑتی ہے، اسی طرح پندرہ ماہ سے پہلے پہلے ہر مہینہ کے ختم پر قرعہ اندازی میں جس کا نام نکل آتا ہے، اسے پندرہ ماہ میں جتنی رقم جمع کرنی تھی، اتنی ہی رقم دے دی جاتی ہے اور اس کا تعلق کمیٹی سے بالکل ختم ہوجاتا ہے، پندرہ ماہ مکمل ہونے پر بقیہ ممبروں کو بیک وقت پینتالیس، پینتالیس ہزار روپے دے دیئے جاتے ہیں، اس کو مثال سے یوں سمجھئے کہ پہلی مرتبہ جس کا نام قرعہ میں نکل آئے گا وہ صرف تین ہزار روپے دے کر ۴۵ ہزار روپے حاصل کرے گا اور جس کا نام دوسرے ماہ میں نکلے گا وہ چھ ہزار روپے جمع کر کے ۴۵ ہزار روپے لے لے گا، علی ہذا تیسرے، چوتھے ماہ وغیرہ کا حال ہے اور اس کے بعد جن جن نمبروں کو رقم ملتی رہے گی ان کا تعلق کمیٹی سے ختم ہوتا رہے گا، پندرہ ماہ پورے ہونے پر باقی پچاسی ممبران کو بھی ۴۵، ۴۵ ہزار روپے ادا کردیا جاتا ہے۔

---

(۱) دیکھئے: جدید فقہی مسائل: ۱/۳۷۱-۳۷۲، نیز دیکھئے: آپ کے شرعی مسائل اور ان کا حل: ۶/۲۷۰

اب صورتِ حال کچھ اس طرح بنتی ہے کہ سو ممبران کی پہلی ماہ میں کمیٹی کے پاس تین لاکھ روپے جمع ہوتے ہیں اور اس میں سے وہ قرعہ میں نام نکلنے والے شخص کو ۴۵ ہزار روپے ادا کر دیتی ہے تو اس کے پاس دو لاکھ پچپن ہزار روپے بچتے ہیں، اسی طرح پندرہ ماہ کے اندر جس ایک آدمی کا نام قرعہ میں نکلتا ہے تو ۴۵ ہزار ادا کرنے کے بعد کمیٹی کے پاس ایک معتد بہ رقم بچتی رہتی ہے، جب پندرہ ماہ مکمل ہو جاتا ہے تو پھر ہر ممبر کو ۴۵ ہزار روپے کمیٹی کو ادا کرنی پڑتی ہے، اس طرح کمیٹی کو اپنی طرف سے مزید تین لاکھ پندرہ ہزار روپے ادا کرنی پڑتی ہے، جو اس کا نقصان ہے، مگر اس نقصان کو پورا کرنے اور خود اپنا فائدہ نکالنے کے لئے وہ سیونگ بینک میں ہر روز اس رقم کو جمع کرتی ہے، یا اس رقم سے اس طرح بزنس کرتی ہے کہ جب کوئی چیز مارکیٹ میں سستی ملتی ہے تو اس کا ذخیرہ کر لیتی ہے اور جب مارکیٹ میں مال ختم ہو جاتا ہے یا مہنگا ہو جاتا ہے تو اسے زیادہ قیمت میں فروخت کرتی ہے، یا پھر انعامی باؤنڈز زیادہ تعداد میں خرید لیتی ہے، جس سے اس کے نقصان کی تلافی ہو جاتی ہے اور اسے نفع بھی حاصل ہوتا ہے۔

چٹھی ڈالنے کی یہ صورت کھلا ہوا قمار اور سود کا مجموعہ ہے؛ اس لئے اس کے حرام اور باطل ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔(۱)

کمیشن چٹھی

سرکاری ملازمین اور کمپنی وغیرہ کے ملازمین کے درمیان یہ معاملہ بھی رائج ہے کہ ''امدادِ باہمی'' کا عنوان دے کر بیس، پچیس ملازمین آپس میں اپنی تنخواہ سے ہر ماہ ایک مخصوص رقم جمع کر لیتے ہیں، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بیس ملازمین اپنی تنخواہ سے ہر ماہ ایک سو روپے جمع کرتے ہیں، پھر ان روپیوں کو ان ہی ممبران میں کم قیمت پر فروخت کر دیتے ہیں یعنی: جس ملازم ممبر کو دوسرے ملازم کے مقابلہ میں زیادہ ضرورت ہوتی ہے وہ

(۱) دیکھئے: آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶/۲۷۱-۲۷۲

دو ہزار کی یہ رقم ہزار یا بارہ سو میں لے لیتا ہے اور جو رقم بچ جاتی ہے، باقی انیس ممبران حصہ رسدی کے اعتبار سے کمیشن کے نام پر آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں، یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے؛ یہاں تک کہ تمام ممبران ختم ہو جاتے ہیں یعنی: تمام ممبران باری باری اس طرح لیتے رہتے ہیں۔

یہ سسٹم شرعی نقطۂ نظر سے ناجائز وحرام اور غلط ہے؛ کیوں کہ اس میں ناجائز ہونے کی کئی وجوہ ہیں، مثلاً :

۱) تنخواہ کا یہ جز ونقد ہوتا ہے اور نقد کی خرید وفروخت کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں ہے، حدیث شریف میں ''مثلاً بمثل یداً بیدٍ ''(۱) برابر سرابر ہونے کو ضروری قرار دیا گیا ہے، شرعی اصطلاح میں اس معاملہ کو'' بیع صرف'' کہا جاتا ہے اور اس میں جو زیادتی ہوگی وہ سود ہوگی ''والفضل ربا'' اور سود شرعاً درست نہیں ہے۔

۲) اس معاملہ میں سود کے ساتھ ساتھ جوا بھی ہے، جوا کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اس بات کا امکان ہے کہ جس نے پہلی قسط لے لی، وہ مزید انیس قسطیں جمع کرنے سے پہلے ہی انتقال کر جائے، تو اس صورت میں حسب حصہ بقیہ تمام ممبروں کا حصہ ضائع ہوا، اسی طرح اگر کسی نے ابھی تک کوئی قسط نہیں لی اور اس دوران اس کا انتقال ہو جائے تو اس کی جمع کی ہوئی رقم ضائع ہو جاتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ بیس قسطوں کی ادائیگی تک ہر شخص کا

---

(۱) صحیح مسلم ، کتاب المساقاة ، باب الربا ،حدیث نمبر:۱۹۸۴،باب الصرف وبیع الذهب بالورق نقداً،حدیث نمبر:۱۵۸۷،سنن أبی داؤد ، کتاب البیوع ، باب فی الصرف ،حدیث نمبر:۳۳۴۹،سنن النسائی ، کتاب البیوع ، باب بیع البر بالبر ،حدیث نمبر:۴۵۷۷،صحیح البخاري ، کتاب البیوع ، باب بیع الفضة بالفضة،حدیث نمبر:۲۱۷۶، ۲۱۷۷،سنن الترمذي ، کتاب البیوع ،حدیث نمبر:۱۲۸۵، ۱۲۸۶،سنن ابن ماجة ، کتاب التجارات ، باب الصرف ،حدیث نمبر:۲۳۴۰

زندہ رہنا ضروری نہیں ہے؛ لہٰذا اس طرح کی اسکیم میں شامل ہونا گویا مال کو موضع ''خطر'' میں ڈالنا ہے جو درست نہیں ہے اور اسی کو فقہاء ''جوا'' کہتے ہیں؛ اس لئے یہ معاملہ ''جوا'' میں داخل ہونے کی وجہ سے درست نہ ہوگا۔

۳) یہ معاملہ ''مفضی الی النزاع'' بھی ہے؛ اس لئے کہ جو ممبر چند قسطیں دینے اور دو ہزار وصول کرنے کے بعد درمیان سے نکل جانا چاہے تو بقیہ ممبران اس کو نکلنے نہیں دیں گے، جبر کریں گے یا دی ہوئی رقم کی واپسی کا مطالبہ کریں گے اور ظاہر ہے کہ اس میں نزاع ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی چند قسطیں دینے کے بعد دو ہزار کی رقم وصول کرنے سے پہلے الگ ہونا چاہے اور اپنے دیئے ہوئے روپیوں کی واپسی کا مطالبہ کرے تو اس میں بھی نزاع کا اندیشہ ہے اور جو معاملہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ''مفضی الی النزاع'' ہو وہ ''غرر کثیر'' میں شامل ہونے کی وجہ سے فاسد و ممنوع قرار پائے گا۔(۱)

امدادِ باہمی کی ایک جائز صورت

بعض اداروں میں ''امدادِ باہمی'' کے نام سے یہ طریقہ جاری ہے کہ ایک ہی ادارہ کے ملازمین اپنی تنخواہ سے ایک یا دو روپے فی کس کے حساب سے اس وقت جمع کرتے ہیں، جب کہ کسی ملازمت کے دوران کسی حادثہ میں مالی یا جانی نقصان ہوجائے، یا وہ حسن خدمت سے سبکدوش ہوجائے تو یہ روپیہ اسے یا اس کے ورثہ کو دے دیتے ہیں؛ تاکہ انھیں اسے لاحق ہونے والے حادثہ میں کچھ مدد مل سکے۔

اس میں نہ تو قرعہ اندازی ہوتی ہے اور نہ واپسی کا مطالبہ ہوتا ہے اور نہ ہی ''مفضی الی النزاع'' ہے؛ اس لئے یہ طریقہ شرعاً جائز و درست ہے؛ بلکہ حقیقی معنوں میں امدادِ باہمی ہے۔

---

(۱) جدید فقہی مسائل: ۴/۲۱۱

ماہنامہ وغیرہ کی لائف ممبری

جن اداروں سے اخبارات ورسائل اور بعض ماہنامے جاری ہیں، وہ اپنے اراکین اور ممبروں سے سالانہ چندہ وصول کرتے ہیں، ان میں ایک صورت لائف ممبری کی بھی ہوتی ہے، یعنی سالانہ چندہ وصول کرنے کے بجائے ان سے یکمشت رقم کچھ زیادہ مقدار میں لے لی جاتی ہے اور ادارہ اسے اطمینان دلاتا ہے کہ جب تک یہ ادارہ ہے آپ اس کے مستقل ممبر اور رکن ہیں اور جب تک یہ رسالہ یا اخبار جاری رہے گا، آپ کی خدمت میں یہ رسالہ پابندی سے پہنچاتا رہے گا۔

بعض ادارے ایسے ممبروں کو محسن، مربی، معاون خصوصی وغیرہ کا نام بھی دیتے ہیں، لائف ممبری کے واسطے جو رقم دی جاتی ہے وہ عموماً عطیہ کی ہوتی ہے، اسی وجہ سے اگر کسی وجہ سے رسالہ بند ہو جاتا ہے تو لائف ممبر ادارہ سے واپسی رقم کا مطالبہ نہیں کرتا۔

بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ لائف ممبر بننا سود اور قمار میں داخل ہے؛ اس لئے یہاں اس کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ لائف ممبری درحقیقت ایک اعزازی رکن ہوتا ہے اور جو رقم وہ دیتا ہے اس سے اس کا مقصود ادارہ کو عطیہ اور اعانت وامداد کرنا ہوتا ہے اور ان کی طرف سے رسالہ مقصود نہیں ہوتا؛ اس لئے یہ صورت جائز ہے اور جو پرچہ یا رسالہ ان کے پاس پابندی سے پہنچتا رہتا ہے، وہ بھی اعزازی طریقہ پر ہی ہدیہ ہوتا ہے، یہ بیع و شراء نہیں ہے کہ مبیع وثمن کو کسی درجہ میں مجہول مان کر اسے ناجائز قرار دیا جائے، خلاصہ یہ کہ ایسے طریقے سے لائف ممبر بننا شرعاً جائز ودرست ہے۔(۱)

اخباری معمے

''حل معمہ'' کے عنوان سے بہت سے اخباروں اور ماہواری رسالوں میں ایک مخصوص کالم ہوتا ہے، آج کل یہ کاروباری شکل اختیار کر گیا ہے، معمہ کی مختلف صورتیں لکھ کر

(۱) جدید فقہی مسائل: ۱/۳۶۴

اشتہار دیا جاتا ہے کہ جو شخص اس کو صحیح حل کر کے بھیجے اور اس کے ساتھ اتنی فیس مثلاً: ایک روپیہ بھیجے تو جن لوگوں کے حل صحیح ہوں گے ان میں سے انعام اس شخص کو دیا جائے گا، جس کا نام قرعہ اندازی میں نکل آئے، اس میں بعض ادارے بڑے بڑے انعامات بھی مقرر کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عام غریب طبقہ کے لوگ یہ سمجھ کر کہ فیس معمولی ہے، ایک روپیہ ضائع ہی ہو گیا تو کوئی بڑا نقصان نہیں ہوا اور نام نکل آنے کی صورت میں دو لاکھ مل جائے گا، تین لاکھ مل جائے گا، اس طمع میں قوم کے ہزاروں، لاکھوں افراد معموں کا حل اور ان کے ساتھ ایک ایک روپیہ بھیج دیا کرتے ہیں، یہ کھلا ہوا قمار اور جوا ہے؛ کیوں کہ اس میں ہر شخص ایک روپیہ اس اُمید پر روانہ کرتا ہے کہ مجھے ہزاروں روپے ملیں گے اور اگر نہ مل سکے تو زیادہ سے زیادہ میرا صرف ایک روپیہ ضائع ہوگا، اسی کا نام اسلام میں جوا ہے، بعض رسالوں میں یہ کاروبار کروڑوں کی حد تک پہنچ جاتا ہے، اس میں اگر وہ بے ایمانی بھی نہ کریں؛ بلکہ وعدہ کے مطابق انعامات کی تقسیم کر دیں تب بھی ان حضرات کو لاکھوں کروڑوں کا فائدہ ہوتا ہے، جو حقیقت میں غریبوں کی کمائی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام غریب سے غریب ہوتے چلے جاتے ہیں اور وہ لوگ ان کا خون چوس کر کروڑ پتی بنتے جاتے ہیں۔

اس شکل کے حرام اور ناجائز ہونے کی ایک یہی وجہ کافی ہے؛ کیوں کہ اسلام کے اقتصادی نظام میں اُصولی طور پر شدت کے ساتھ اس کا انسداد کیا گیا ہے کہ دولت عوام کے ہاتھوں سے سمٹ کر چند افراد کے ہاتھوں میں چلی جائے۔

حل معمہ کا یہ رواج اس وجہ سے اور بھی زیادہ سخت اور ہزاروں گناہوں کا مجموعہ ہو جاتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے کے لئے علی الاعلان عوام کو دعوت دی جاتی ہے، ہر ایک آدمی جو اس میں حصہ لیتا ہے، قرآن کے کھلے ہوئے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے اور وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے، اس طرح اس کاروبار کے چلانے والوں پر ان سب کے گناہوں کا وبال ہوتا ہے اور جو لوگ اس کاروبار کی کسی طرح سے کسی درجہ میں اعانت کرتے ہیں، وہ بھی شریک گناہ ہوتے ہیں، اس طرح

بیک وقت لاکھوں کروڑوں مسلمان علانیہ طور پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے صریح حکم کے خلاف کرتے ہیں، جس میں دین دار مسلمان بھی شرک ہو جاتے ہیں؛ اس لئے اس سے پورے طور پر آدمی کو بچتے رہنا چاہئے۔

اسی طرح معمہ بازی کا ایک طریقہ ایسا بھی ہے کہ جس میں فیس تو جمع نہیں کرنی پڑتی؛ لیکن یہ ضروری ہے کہ معمہ کے حل کے ساتھ کوپن نمبر بھیجے، یعنی ادارے یہ اعلان کردیتے ہیں کہ کوئی بھی شخص معمہ کا حل بھیجیں تو کوپن نمبر بھی ضرور بھیجیں، جن لوگوں کا حل صحیح ہوگا، ان میں سے قرعہ اندازی میں جس کا نام نکل آئے گا اس کو انعام دیا جائے گا۔

یہ صورت بھی لوگوں کو سبز باغ دیکھا کر پھنسانا ہے؛ کیوں کہ اس میں معمہ کا حل بھیجنے کے لئے کوپن نمبر ضروری ہے اور کوپن نمبر کے لئے رسالہ یا اخبار کا خریدنا ضروری ہو گیا اس کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں ہے؛ کیوں کہ ایک رسالہ یا اخبار میں ایک ہی کوپن ہوتا ہے، اس کوپن کو کاٹ کر حل معمہ کے ساتھ بھیجنا پڑتا ہے، یہ طریقہ بھی ایک طریقہ سے فیس ہی کی ہے؛ اس لئے یہ بھی جوا ہے اور اس کے ناجائز ہونے میں کوئی تردد نہیں ہے۔

البتہ اگر کسی نے کوئی رسالہ یا اخبار پڑھنے کے لئے دیا ہے اور وہ اس سہولت پر بھی عمل کر لیتا ہے تو کیا یہ بھی اسی صورت میں شامل ہے؟ کیا یہ بھی ناجائز ہے؟ تو اس میں ظاہری اعتبار سے تو کوئی قباحت نہیں؛ کیوں کہ اس میں اپنی طرف سے کوئی فیس کسی طریقہ سے بھی ادا نہیں کیا؛ بلکہ مفت میں کوپن مل جانے پر حل معمہ میں حصہ لیا، اگر اس کا نام قرعہ میں نکل آئے تو اس کو جو انعام ادارہ دے گا، وہ کس مد کی آمدنی کی رقم دے گا؟ ظاہر ہے کہ اپنی طرف سے الگ سے رقم تو نہیں دے گا؛ بلکہ اس کو بھی اسی رقم سے انعام دے گا، جو دیگر افراد نے اپنی فیس کے طور پر جمع کی ہے؛ اس لئے اس طرح کے معمہ جات سے بھی اجتناب کرنا چاہئے۔

معمہ حل کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ اس میں نہ تو فیس ادا کرنی پڑتی ہے اور نہ ہی کوئی کوپن بھیجنا پڑتا ہے؛ بلکہ اس میں صرف معمہ کا حل بھیجا جاتا ہے پھر جن

لوگوں کا صحیح حل نکل آتا ہے، ان سب کے درمیان قرعہ اندازی کی جاتی ہے، جس کا نام قرعہ اندازی میں نکل آتا ہے اس کو انعام دیا جاتا ہے، اس صورت میں ظاہری اعتبار سے کوئی قباحت نظر نہیں آتی ہے، اس لئے معمہ حل کرنے کی یہ صورت شرعاً جائز و درست معلوم ہوتی ہے اور ایسے معمہ حل کرنے میں کئی لوگوں کے اندر شوق علم بڑھ جاتا ہے اور انعام کو اس کے لئے ترغیب کا ذریعہ قرار دیا جاسکتا ہے؛ اس لئے معمہ حل کرنے کی یہ صورت صحیح اور درست ہے؛ بشرطیکہ معمہ کا حل اپنے ہی شہر میں ہو؛ کیوں کہ اگر معمہ کا حل دوسرے شہر میں ہو تو اس میں عموماً ڈاک خانہ ہی سے بھیجا جاتا ہے، اس صورت میں ڈاک خرچ وغیرہ ہو جاتا ہے، ایسی صورت ہو تو میرا خیال ہے کہ یہ کراہت سے تو خالی نہیں ہوگا۔(۱)

ٹکٹ بیچنا

آج کے مروجہ طریقوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بعض صنعتی وتجارتی ادارے کی طرف سے اعلان کیا جاتا ہے کہ ان کی مصنوعات کے سلسلے میں جو متعینہ ٹکٹ ادارے سے خرید کر فروخت کردے گا، ادارہ اس کو فلاں چیز (شئ مخصوص) بطور انعام دے گا، اس طریقہ سے جو چیز حاصل کی جائے گی وہ ناجائز وحرام ہوگی؛ کیوں کہ اس کے ناجائز ہونے کی چند وجہیں ہیں: ایک تو اس میں یہ شرط چھپی ہوئی ہے کہ اگر متعینہ ٹکٹ نہ فروخت ہوسکا تو روپیہ ضبط ہو جائے گا، گویا اس کی منفعت بخت واتفاق پر مبنی ہے اور اسی کو جوا کہتے ہیں، جیسا کہ اس کی تفصیل آچکی ہے، اسی طرح اس ''عقد بیع'' میں یہ شرط لگانا کہ تم اتنے (متعین) ٹکٹ بیچ دو تو فلاشی دی جائے گی، شرط فاسد ہے؛ لہٰذا ان وجوہات کی بناء پر ٹکٹ بیچنے کا یہ طریقہ بھی ناجائز وحرام اور باطل قرار پایا۔(۲)

---

(۱) دیکھئے: جواهر الفقه: ۳۴۴/۲، فتاویٰ محمودیه: ۳۵۸/۱۲، اسلامی فقه: ۲۵۶/۲، ایضاح النوادر: ۱۲۳/۱، حلال وحرام: ۳۸۰، از مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب۔

(۲) المجموع شرح المهذب: ۱۵۰/۱۵

ہلال احمر کمپنی وغیرہ کے ٹکٹ خریدنا

ہلال احمر (ریڈ کراس) جو خدمت خلق کے کاموں میں مشہور ہے، مگر اس میں روپیہ جمع کرنے کا ایک طریقہ ایسا ہے جس میں قمار کی آمیزش پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ پانچ روپے اور تین روپے کی ٹکٹیں فروخت کرتا ہے اور حاصل شدہ رقم میں سے ہر ماہ قرعہ اندازی کی جاتی ہے اور جن لوگوں کے نام قرعہ میں نکل آتے ہیں ان کو تین لاکھ اور ڈیڑھ لاکھ روپے انعام کے نام پر دیئے جاتے ہیں اور جن لوگوں کا نام قرعہ میں نہیں نکلتا ان کی رقم واپس نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ وہ رقم سوخت ہوجاتی ہے اور بچ جانے والی رقم کو عطیۂ خون، امبولنس، شفاخانوں، ایکسرے، لیبارٹری اور بیماروں کی تیمارداری وغیرہ میں خرچ کیا جاتا ہے، نیز ادارہ ناگہانی آفات سے متاثر ہونے والوں کی بھی امداد کرتا ہے، یہ سود اور جوا کا مجموعہ ہے اس لئے حرام ہے۔

اسی طرح میانمار (برما) میں خود حکومت کی طرف سے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ وہ پانچ روپے سے لے کر پانچ سو روپے تک کی مختلف ٹکٹیں بیچتی ہے، ان میں چھ نمبر ہوتے ہیں اور حاصل شدہ رقم سے ہر ماہ ان نمبروں کے ذریعہ قرعہ اندازی کی جاتی ہے، جن لوگوں کے ٹکٹ کا نمبر قرعہ میں نکل آتا ہے ان کو دو ہزار سے پانچ کروڑ تک جو مقرر ہے وہ رقم انعام کے نام سے دیا جاتا ہے اور جن لوگوں کا نمبر نہیں نکلتا ان کی رقم سوخت ہوجاتی ہے اور بقیہ رقم وہ بھی رفاہی کاموں پر خرچ کرتی ہے اور فوجیوں کی تنخواہ وغیرہ دیتی ہے، نیز اس رقم سے اسلحہ وغیرہ بھی خریدا جاتا ہے اور دیگر ملازمین کی تنخواہ وغیرہ بھی دی جاتی ہے، ہر ماہ جن جن لوگوں کا نام قرعہ میں نکل آتا ہے ان کو سرکار نے یہ سہولت بھی دے رکھی ہے کہ وہ اس رقم سے جو بھی کاروبار کرے گا، اس پر سرکاری ٹیکس ادا نہیں کرنا پڑے گا، خواہ یہ کاروبار نسل در نسل ہی کیوں نہ چلے۔

اسی طرح تھائی لینڈ حکومت کی طرف سے بھی چھ نمبروں کی ٹکٹیں فروخت کی جاتی

ہیں، اس کے فروخت کرنے کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ چھ نمبر میں سے کوئی ایک نمبر چن کر اس پر جتنے روپے خریدار ادا کرسکتا ہے ادا کرے حتیٰ کہ پانچ روپے سے لے کر پانچ لاکھ اور پانچ کروڑ تک ایک ٹکٹ میں لگایا جاسکتا ہے اور ہر ماہ قرعہ اندازی کر کے صرف ایک ہی نمبر نکالے جاتے ہیں، مثلاً: قرعہ میں 579643 یہ چھ نمبر نکل آئے تو اب جن جن لوگوں کے پاس یہ مکمل نمبر ہوتے ہیں، ان کو ایک روپیہ کے بدلے پانچ سو روپے دیئے جاتے ہیں اور جن جن لوگوں کے پاس اخیر کا پانچ نمبر 57964 یا شروع کا پانچ نمبر 79643 موجود ہوتا ہے، ان کو ایک روپے کے عوض چار سو روپے اور جس کے پاس اخیر کا چار نمبر 5796 یا شروع کا چار نمبر 9643 ہے اس کو ایک روپے کے بدلے تین سو روپے اور جس کے پاس آخری کا تین نمبر 579 یا شروع کا تین نمبر 643 ہو، اس کو ایک روپے کے بدلے دو سو روپے کے حساب سے انعام دیا جاتا ہے اور جن کا ترتیب مذکور کے لحاظ سے نمبر نہیں ہوتا ان کو کچھ بھی نہیں ملتا، حتیٰ کہ ان کی رقم بھی واپس نہیں کی جاتی ہے؛ بلکہ سوخت ہو جاتی ہے اور رقم کو حکومت رفاہی کاموں میں خرچ کرتی ہے۔

ان دونوں ممالک میں ٹکٹ بیچنے کا طریقہ کھلا ہوا ''قمار'' اور جوا ہے، حکومت کی طرف سے اس کا نام انعام رکھ دینے کی وجہ سے وہ انعام نہیں ہو جاتا ہے کہ ''زہر کو تریاق کہنے سے وہ تریاق نہیں ہو جاتا''۔

لاٹری کی خرید وفروخت

آج کل بازاروں میں لاٹری کی سینکڑوں صورتیں رائج ہیں، جن میں سے چند مشہور صورتوں کا تذکرہ گذشتہ سطور میں آچکا ہے، لاٹری کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ بازاروں میں مخصوص جگہ پر لاٹری کی ٹکٹیں مختلف قیمت کی ہوتی ہیں، خریدار وہاں پہنچتے ہیں اور اپنے لحاظ سے کسی ایک قیمت یا مختلف قیمتوں کے مختلف ٹکٹیں خرید لیتا ہے، پھر جب سارے خریدار کا ریکاڈ اصل مرکز میں پہنچتا ہے اور اس کے نام سے لاٹری نکل آتی ہے، تو اسے متعینہ رقم ملتی

ہے، جو اکثر اوقات روپیہ ہی کی صورت میں ہوتی ہے؛ حالاں کہ عقد معاوضہ میں ایک طرف سے کم اور دوسری طرف سے زیادہ رقم ہونے کی صورت میں سود ہو جاتا ہے، جو شرعاً درست نہیں ہے اور لاٹری نکلنے کی صورت میں یہی ہوتا ہے، نیز اس میں نفع ونقصان مبہم اور خطرہ میں رہتا ہے کہ اگر نام نکل آیا تو نفع ہوگا اور اگر نہ نکلا تو اصل پونجی بھی ڈوب جائے گی، پھر یہ نفع ٹکٹ خریدنے والوں کی محنت کا نتیجہ نہیں ہے؛ بلکہ محض بخت واتفاق پر مبنی ہوتا ہے کہ اسی کا نام نکل آیا، ایسے ہی مبہم اور پر خطر نفع ونقصان کو ''جوا'' کہتے ہیں؛ جیسا کہ علامہ نوویؒ (۶۳۱-۶۷۶ھ) لکھتے ہیں :

أن فی القمار لیس فیهم إلا من یعطی مرة ویأخذ مرة . (۱)

قمار کا معاملہ ایسا ہے کہ اس میں کبھی دینا بھی پڑتا ہے اور کبھی مل بھی جاتا ہے۔

اسی طرح علامہ شامیؒ نے لکھا ہے :

یز داد تارة وینقص أخری . (۲)

قمار میں کبھی بڑھ جاتا ہے اور کبھی گھٹ جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ لاٹری کی تمام صورتوں میں سود اور جوا دونوں پایا جاتا ہے؛ اس لئے وہ ناجائز وحرام ہے، اسی وجہ سے اکثر علماء اکابر نے لاٹری کو حرام وناجائز قرار دیا ہے۔(۳)

کون بنے گا کروڑ پتی؟

آج کل معلومات پر انعام کے مختلف پروگرام کئے جاتے ہیں، ان میں سے ایک معروف ومقبول پروگرام ہے ''کون بنے گا کروڑ پتی؟'' ——— اس پروگرام میں مختلف

---

(۱) المجموع شرح المهذب:۱۵۰/۱۵

(۲) ردالمحتار علی الدر المختار ، باب الحظر والإباحة:۵۷۷/۹

(۳) حلال وحرام:۳۸۰، از: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی۔

مرحلوں کی آزمائش کے بعد چند افراد کو سوالات کے جواب کے لئے منتخب کیا جاتا ہے، عام طور پر ۱۳/سوالات دریافت کئے جاتے ہیں، جو مختلف مذاہب کے بھی، پھر جو شخص جتنے جواب دے پائے اس لحاظ سے اس کو انعامات دئے جاتے ہیں، جو پانچ ہزار سے شروع ہوکر پانچ کڑوڑ تک جاتا ہے۔

بہت سے لوگ دریافت کرتے ہیں کہ اس طرح انعامات حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو رقم بطور انعام دی جاتی ہے وہ حلال ہوگی یا حرام؟ —— اس سلسلہ میں عرض ہے کہ چوں کہ شرکاء مقابلہ سے کوئی رقم نہیں لی جاتی ہے، کوئی ادارہ اپنی طرف سے معلومات کا امتحان لے کر اس پر انعام دیتا ہے؛ اس لئے یہ قمار اور جوئے میں داخل نہیں، یہ انعام کا لین دین ہے، جس کا جائز ہونا ظاہر ہے؛ لہٰذا اگر اور کوئی وجہ حرمت موجود نہ ہو تو فی نفسہ یہ صورت جائز ہوگی۔

جو اور جوئے کی مروجہ شکلیں

پانچواں باب

انشورنس

انشورنس کے معنی

آج کل جوے کی مروجہ معاملات جاری ہیں، ان میں سرفہرست انشورنس کا مسئلہ بھی ہے، اس کو اُردو میں ''بیمہ'' اور انگریزی میں انشور (Insure) اور عربی میں ''سوکرۃ'' اور ''تأمین'' کہا جاتا ہے، اس کے معنی لغت کے اعتبار سے یقین دہانی کے ہیں اور اصطلاح میں بھی کچھ اسی معنی میں مستعمل ہے؛ اس لئے اس میں بیمہ کمپنی کی طرف سے بیمہ کرانے والے کو بعض خطرات سے حفاظت اور بعض نقصانات کی تلافی کی یقین دہانی کرائی جاتی ہے۔

بیمہ کی اقسام

موجودہ دور میں بیمہ کے بہت سے طریقے رائج ہیں، ان میں سے زیادہ رائج اور مشہور چار ہیں :

۱) زندگی کا بیمہ۔

۲) املاک کا بیمہ۔

۳) ذمہ داری کا بیمہ۔

۴) سندی کاغذات اور نوٹوں کا بیمہ۔

ان چاروں قسموں کا حکم شرعی طور پر الگ الگ ہے؛ اس لئے چاروں کو علاحدہ علاحدہ تھوڑی تفصیل کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

زندگی کے بیمہ کی حقیقت

اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بیمہ کمپنی اپنے ڈاکٹر کے ذریعہ طالب بیمہ کا طبی معائنہ

کراتی ہے اور ڈاکٹر اس کی جسمانی صحت و حالت کو دیکھ کر یہ اندازہ کرتا ہے کہ اگر کوئی ناگہانی آفت پیش نہ آئی تو یہ شخص اتنے سال — مثلاً بیس سال — زندہ رہ سکتا ہے، ڈاکٹر کی رپورٹ پر کمپنی بیس سال تک کے لئے اس کی زندگی کا بیمہ کرالیتی ہے، دونوں کے درمیان شرائط طے پاتی ہیں اور اس کے بعد شرائط کے مطابق طالب بیمہ بالاقساط رقم جمع کرتا رہتا ہے اور معینہ مدت میں جب وہ پوری رقم ادا کردیتا ہے تو ''بیمہ'' مکمل ہوجاتا ہے، اب طالب بیمہ متعینہ مدت کے اندر اندر مرجائے یا معینہ مدت کے بعد بھی زندہ رہے، بہر دو صورت اس کو یا اس کے پسماندگان کو حسبِ شرائط جمع شدہ رقم کچھ اضافی رقم کے ساتھ مل جاتی ہے، فرق یہ ہے کہ متعینہ مدت کے اندر اندر مرنے کی صورت میں شرح منافع زیادہ ہے اور متعینہ مدت کے بعد بھی زندہ رہ جانے کی صورت میں منافع تو ملتے ہیں؛ لیکن اس کی شرح کم ہوتی ہے، مرجانے کی صورت میں اس کے پسماندگان کو اور زندہ رہ جانے کی صورت میں خود طالب بیمہ کو کمپنی حسب شرائط جمع شدہ رقم کچھ زائد رقم کے ساتھ یکمشت ادا کردیتی ہے۔

زندگی کے بیمہ کا شرعی حکم

زندگی کا بیمہ ظاہری اعتبار سے اپنی سادہ صورت میں ایک مفید اسکیم ہے، جس میں بیمہ کرانے والوں یا ان کے ورثہ کو تھوڑی سی راحت مل جاتی ہے، مگر اس میں ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں، جن کو شریعت نے بہ صراحت حرام قرار دیا ہے اور وہ ہیں: سود، قمار اور شرائط فاسدہ وغیرہ۔

سود

موجودہ انشورنس کا پورا نظام ہی سود پر مبنی ہے؛ کیوں کہ اس میں جمع شدہ رقم پر بنام بونس (Bonus) کچھ زائد رقم ملتی ہے، یہ سود ہے؛ اس لئے کہ جمع شدہ رقم کی حیثیت قرض کی ہے اور اضافی رقم گویا اس مہلت کا معاوضہ ہے، اسی کا نام ''ربا'' یعنی سود ہے، جس کو

قرآن کریم میں قطعاً حرام قرار دیا گیا ہے :

اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا . (۱)

اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

اور سود خور کے متعلق اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے، فرمانِ خداوندی ہے :

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ . (۲)

اگر تم نے ایسا نہ کیا، (یعنی سود لینا نہیں چھوڑا) تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔

اور بھی بہت سی ایسی آیتیں ہیں جو سود کی حرمت پر صراحتاً دلالت کرتی ہیں، اسی طرح بہت سی احادیث میں سود کی حرمت، اس کے نقصانات اور اس پر دنیوی و اخروی عذاب کا ذکر آیا ہے۔

قمار

زندگی کے بیمہ میں اپنی نوعیت کے اعتبار سے قمار یعنی جوا بھی پایا جاتا ہے؛ اس لئے کہ طالب بیمہ مدتِ مقررہ سے پہلے انتقال کر جائے گا یا نہیں؟ اور کتنی زائد رقم اس کو ملے گی؟ یہ معلوم نہیں ہوتا، اسی کو فقہاء ''خطر'' اور ''مخاطرہ'' سے تعبیر کرتے ہیں، نیز اس کو ''قمار'' یعنی جوا بھی کہا جاتا ہے، (قمار اور خطر کے مابین فرق کے سلسلہ میں تفصیلی بحث گزر چکی ہے)۔

شرائط فاسدہ

بیمہ دار کو ایک متعینہ مدت تک متعینہ رقم جمع کرنی پڑتی ہے جسے (Premium)

---

(۱) البقرۃ:۲۷۵

(۲) البقرۃ:۲۷۹

''پریمیم'' کہا جاتا ہے، اگر کسی وجہ سے اس رقم کے جمع کرنے کا سلسلہ بند ہو جائے تو پہلے کی جمع شدہ ساری رقم بھی سوخت ہو جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ صرف اس سلسلہ کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے کسی کی حقیقی رقم کا سوخت ہو جانا عقلاً بھی درست نہیں ہونا چاہئے اور شرعاً تو صحیح ہے ہی نہیں۔

انصاف کا تقاضہ تو یہ ہے کہ رقم جمع کرنے والے کو اس کی پہلی جمع شدہ رقم واپس مل جائے؛ کیوں کہ بیمہ کرانے والے کی جانب سے رقم جمع کرنے کے سلسلہ کا ختم ہو جانا کسی مجبوری کے سبب ہوتا ہے، جس کی وجہ سے وہ قابل رحم ہوتا ہے اور وہ امداد کا مستحق ہوتا ہے، نہ کہ اس کے خون پسینہ کی کمائی کے بھی ہڑپ لئے جانے کا؛ لیکن بیمہ کمپنی والے ایسی مجبوری ولاچارگی کو بالکلیہ نظر انداز کرتے ہوئے پہلے کی جمع شدہ رقم بالکل سوخت کر لیتے ہیں اور پھر کوئی عدالت بھی اسے واپس نہیں دلا سکتی، ظاہر ہے کہ یہ شرط خلافِ شرع اور ناجائز ہے۔

انسانی جان واعضاء مال نہیں

چوتھی چیز قابل قیمت ہونے والا مال ہے، انسان کی جان اور اعضاء قابل قیمت اشیاء میں سے نہیں ہیں اور غیر متقوم اشیاء کا کوئی عوض نہیں ہوا کرتا ہے، پس یہ بیع ''بیع باطل'' ہوگی۔

چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ (م:۱۲۵۲ھ) بیع باطل وغیرہ کی بحث میں لکھتے ہیں :

المال اسم لغير الآدمي خلق لمصالح الآدمي . (۱)

یعنی مال انسان کے سوا دوسری چیزوں کا نام ہے جو انسان کی مصالح (یعنی فائدے) کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں :

و كذا (۲) بيع كل ما انفصل عن الآدمي كشعر وظفر ؛

(۱) ردالمحتار، كتاب البيوع: ۴/۳، ط: مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، پاکستان۔

(۲) أي لا يجوز (جائز نہیں)۔

لأنه جزء الآدمی ألخ . (۱)

اسی طرح ایسی چیزوں کی بیع جائز نہیں جو انسان کے بدن سے الگ کی گئی ہے، جیسے بال ناخن وغیرہ؛ کیوں کہ یہ سب بھی انسان ہی کے اجزاء میں سے ہیں۔

اسی طرح لکھتے ہیں :

فبیع المیتة والدم والحر باطل . (۲)

مردار، خون اور آزاد انسان کی بیع، بیع باطل اور ناجائز ہے۔

پس انسانی اعضاء وغیرہ ''قابل قیمت مال'' میں سے نہیں ہیں، اگر بالفرض عوض مقرر کیا جائے تو وہ عوض نہیں رشوت ہوگا اور رشوت بھی حرام اور باعث عذاب ہے؛ چنانچہ حدیث نبوی میں ہے :

لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم الراشی والمرتشی . (۳)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے (دونوں) پر لعنت فرمائی۔

لہٰذا ان وجوہ کی بنا پر زندگی کا بیمہ (L.I.C) ناجائز اور حرام ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔(۴)

کیا زندگی کا بیمہ ضرورتِ شدیدہ میں داخل ہے؟

زندگی کے بیمہ کے متعلق یہ سوال اُٹھایا جاتا ہے کہ ہندوستان جیسے ممالک میں

(۱) ردالمحتار ، کتاب الحظر والإباحة:۲۷۲/۵، ط: مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، پاکستان۔

(۲) ردالمحتار ، کتاب البیوع :۱۱۲/۴

(۳) سنن أبی داؤد ، کتاب الأقضیة ، باب فی کراهیة الرشوة ،حدیث نمبر:۳۵۸۲، جامع الترمذی، کتاب الأحکام ، باب ما جاء فی الراشی والمرتشی فی الحکم ،حدیث نمبر:۱۳۸۷، سنن ابن ماجة ، کتاب الأحکام ،حدیث نمبر:۲۴۰۱

(۴) جواهر الفقه:۲۳۷/۲، امداد الفتاویٰ:۱۶۱/۳، فتاویٰ رحیمیه:۲۰۰/۲

آئے دن فرقہ وارانہ فسادات کثرت سے ہوتے رہتے ہیں، ان کے پیچھے بعض سیاسی جماعتوں اور تحریکوں کا کھلا ہاتھ ہوتا ہے، ایسی حالت میں مسلمانوں کے لئے لائف انشورنس (Laif Insurance) کی اجازت ہونی چاہئے؟ نیز ''الضرورات تبیح المحضورات''(۱) کے تحت داخل مان کر اسے جائز قرار دینا چاہئے، مگر یہ صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ شریعت میں ایسی ضرورت کہ اگر اس میں حرام کا ارتکاب نہ کیا جائے تو ہلاکت اور جان کا سخت خطرہ اور ناقابل برداشت نقصان کا قوی اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں بقدر ضرورت حرام چیز کو استعمال کر کے اپنی جان بچانے کی اجازت ہے، ''الضرورات تبیح المحظورات'' میں بھی ایسی ہی ضرورت مراد ہے۔

اس لئے اگر کسی مسلمان کو ضرورتِ شدیدہ پیش آئی تو اپنی جان کا بیمہ کرانے کی گنجائش ہوگی؛ کیوں کہ فقہاء نے ایسی ہی ضرورت شدیدہ کے تحت سودی قرضہ لینے کو بھی جائز قرار دیا ہے ''ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح''۔(۲)

یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ''ضرورتِ شدیدہ'' کے موجود ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کوئی معتمد مفتی ہی کر سکتا ہے، ''ضرورتِ شدیدہ'' کی بنا پر اگر کوئی شخص لائف انشورنس کرانا چاہتا ہو تو وہ کسی قریبی دارالافتاء میں اپنے تمام حالات مفصل بیان کر کے اپنے متعلق مسئلہ معلوم کرے، اب اگر مفتی نے واقعتاً ''ضرورتِ شدیدہ'' کا فتویٰ دے دیا تو اس کے لئے گنجائش ہے کہ وہ لائف انشورنس کرائے؛ البتہ اس صورت میں بھی جمع شدہ رقم سے جو زائد رقم ملے گی وہ سود ہی ہوگی، اس کو اپنے ذاتی کاموں کے استعمال میں لانا جائز نہ ہوگا، چاہے وہ رقم خود طالبِ بیمہ کو ملے یا اس کے وارثین کو، بہر حال اپنے ذاتی مصرف میں لانا جائز نہیں ہے؛ بلکہ اس رقم کو بلانیتِ ثواب فقراء پر تقسیم کر دینا واجب وضروری ہے۔

چنانچہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں :

---

(۱) الأشباه والنظائر لابن نجيم مع شرح حموی:۱۴۰

(۲) الأشباه والنظائر لابن نجيم مع شرح حموی:۱۴۹

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه ..... (قوله وهو حرام مطلقا على الورثة) أى سواء علموا أربابه أو لا ؛ فإن علموا أربابه ردوه عليهم وإلا تصدقوا به . (۱)

اس لئے حرام ذریعہ سے حاصل شدہ مال کو جب صاحب مال کو وہ لوٹانا دشوار ہوتو اس کے استعمال کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے کہ اس کو صدقہ کردے اور یہ مال اس کے وارثین کے لئے بھی مطلقاً حرام ہے، اگر صاحبِ مال کو جانتا ہوتو مال صاحب مال کو لوٹادے ورنہ صدقہ کردے۔

ويتصدق بلا نية الثواب إنما ينوى به برائة الذمة . (۲)

اور صدقہ بھی بہ نیتِ ثواب نہ ہو؛ بلکہ بلانیت ثواب اپنی سبکدوشی کی خاطر صدقہ کیا جائے۔

ہاں جب کہ حادثہ پیش آجائے اور اس میں طالب بیمہ فوت ہوجائے تو جمع شدہ رقم سے زائد رقم ورثہ کے لئے درست ہوگی؛ کیوں کہ ایسی صورت میں زائد رقم سود کے حکم میں نہیں ہوگی؛ جیسا کہ علماء نے فتویٰ دیا ہے۔

املاک کا بیمہ

املاک یعنی مکان، کارخانہ، کار اور جہاز وغیرہ کا بیمہ کرانے کی یہ صورت ہوتی ہے کہ طالبِ بیمہ کسی بھی جائداد کو متعین مدت کے لئے حسبِ شرائط متعین رقم بالاقساط جمع کرکے بیمہ کراتا ہے، اب متعینہ مدت کے اندر اندر اگر کسی حادثہ کی وجہ سے بیمہ شدہ املاک ضائع ہوجائے، مثلاً: کارخانہ میں آگ لگ جائے یا جہاز سمندر میں ڈوب جائے یا کار کسی

(۱) ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع: ۲۷۳/۵

(۲) قواعد الفقه، القواد الفقهية: ۱۱۵

حادثہ (Accident) میں ٹوٹ جائے یا جل جائے تو کمپنی اس نقصان کی تلافی کرتی ہے؛ لیکن نقصان کی تلافی میں عموماً دو طریقے زیادہ رائج ہیں: ایک یہ ہے کہ اصل رقم کے ساتھ ساتھ کچھ زائد رقم بھی ملتی ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ کمپنی صرف نقصان کی تلافی کرتی ہے، یعنی اگر کسی حادثہ میں کار خراب ہوگئی تو بیمہ کمپنی طالبِ بیمہ کو اس کے بدلے میں ایک کار دے دیتی ہے، جہاز غرق ہوگیا تو اس کے بدلے میں ایک جہاز دے دیتی ہے، اس میں سود نہیں ملتا۔

اور اگر متعینہ مدت کے اندر املاک میں کچھ نقصان نہ ہو؛ بلکہ وہ صحیح وسالم رہ جائیں تو کمپنی کوئی رقم نہیں دیتی اور نہ ہی اصل جمع شدہ رقم واپس ملتی ہے؛ کیوں کہ کمپنی املاک کی حفاظت کی ضامن ہوتی ہے اور وہ اسی ضمانت کے نام سے طالبِ بیمہ سے حسب شرائط رقم وصول کر لیتی ہے، مدت پوری ہوگئی اور املاک کو کچھ نقصان نہیں ہوا تو طالبِ بیمہ اور بیمہ کمپنی کے درمیان کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔

مذکورہ دونوں صورتوں میں سے پہلی صورت (جس میں املاک کے ضائع ہوجانے سے کمپنی طالب بیمہ کو نقصان کی تلافی کے ساتھ ساتھ کچھ مزید رقم بھی دیتی ہے) میں سود بھی ہے اور جوا بھی؛ کیوں کہ عقد معاوضہ میں ایسی زیادتی جو بلا عوض ہو سود ہے، اسی طرح جائداد کا نقصان ہونا یا نہ ہونا بخت واتفاق پر مبنی ہوتا ہے، جس پر پیسے ملنے اور نہ ملنے کا مدار ہے اور یہی تو ''قمار'' ہے۔

دوسری صورت — جس میں کمپنی اصل املاک کے سوا کوئی مزید رقم نہیں دیتی — میں اگر چہ سود نہیں ہے، مگر شائبہ قمار ضرور پایا جاتا ہے؛ اس لئے فقہاء نے اس صورت کو بھی ناجائز وحرام قرار دیا ہے۔

املاک کے بیمہ کا شرعی حکم

املاک کے بیمہ کی پہلی صورت (جس کا اوپر تذکرہ ہوا اس) میں سود اور قمار ہے،

جب کہ دوسری صورت میں جوا ہے اور سودو جوا بھی ناجائز وحرام ہے، علامہ شامیؒ کے زمانہ میں اسی طرح کا ایک طریقہ مروج تھا، جسے ''سوکرہ'' کہا جاتا تھا، علامہ شامیؒ نے اس پر اس طرح روشنی ڈالی ہے :

مستأمن فی دارنا یقیم فی بلاد السواحل الإسلامیة بإذن السلطان ، یقبض من التجار مال السوکرة وإذا هلک من مالهم فی البحر شئ یؤدی ذلک المستأمن للتجار بدله تماماً ، والذی یظهر لی أنه لا یحل للتجار أخذ بدل الهالک من ماله ؛ لأن هذا إلتزام مالا یلزم ، فإن قلت : إن المودع إذا أخذ أجره علی الودیعة یضمنها إذا هلکت ؟ قلت : مسئلتان لیست من هذ القبیل ؛ لأن المال لیس فی ید صاحب السوکرة ، بل فی ید صاحب المرکب یکون أجیرا مشترکا قد أخذ أجره علی الحفظ وعلی الحمل وکل من المودع والأجیر المشترک لا یضمن مالا یمکن الاحتراز عنه کالموت والغرق ونحو ذلک . (۱)

بیمہ کمپنی اکثر اسلامی ملکوں میں ساحلی علاقوں میں ہوتے ہیں، حاکم کی اجازت سے بیمہ کا مال قبضہ کیا جاتا ہے اور جب ان کا مال سمندر میں ہلاک ہوجاتا ہے تو بیمہ کمپنی تاجر کو پورا بدل ادا کرتا ہے، اس سلسلہ میں جو بات میرے نزدیک ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ تاجروں کے لئے اپنے ہلاک شدہ مال کا معاوضہ حلال نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ ''التزام مالا یلزم'' (جو چیز قانوناً لازم نہیں

(۱) ردالمحتار ، کتاب الجهاد ، باب المستأمن ، فصل فی استئمان الکافر: ۲۷۳/۲، ط: مکتبہ زکریا، دیوبند۔

ہوتی اس کو اپنے ذمہ لازم کر لینے) کے قبیل سے ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ امانت رکھنے والا امانت کی حفاظت پر اُجرت وصول کرتا ہے اور مال ضائع ہو جائے تو وہ ضامن ہوتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیمہ کے مسئلہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا؛ کیوں کہ یہاں مال بیمہ کمپنی کی تحویل میں نہیں ہوتا؛ بلکہ بحری جہاز کے مالک یا اس کے ملازموں کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور اگر یہ صورت ہو کہ بیمہ کمپنی کا جہاز بھی ساتھ ہو، تب بھی ہلاک شدہ مال کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہوگا، (۱) کیوں کہ اس صورت میں بیمہ کمپنی ''اجیر مشترک'' سمجھی جائے گی، جس نے حفاظت مال اور مال لے جانے، دونوں کی اُجرت لی ہے اور ظاہر ہے کہ ''اجیر مشترک'' ناگہانی آفات سے مال تلف ہو جانے کی صورت میں ضامن نہیں ہوتا۔

اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ علامہ ابن عابدین شامیؒ — جو متاخرین فقہاء میں معتبر مانے جاتے ہیں — کا فتویٰ زیر بحث باب میں یہ ہے کہ ہلاک شدہ مال کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہے۔

دورِ حاضر میں املاک کے بیمہ کی ضرورت

آج کل کار، دوکان، کمپنی، فرم، ایکسپورٹ (Export) اور امپورٹ (Impart) وغیرہ کے اموال بغیر بیمہ کے مشکل سے ملتے ہیں، دوسری طرف اگر املاک کا بیمہ نہیں کراتے ہیں تو بیمہ کمپنی بعض غنڈوں کے ذریعہ املاک کو ہلاک کرا دیتی ہے یا آگ لگا دیتی

(۱) بعض فقہاء کے نزدیک یہ صورت جائز ہے، حضرت تھانویؒ نے بھی جواز کا فتویٰ دیا ہے، ملاحظہ کیجئے: جواهر الفقه: ۲۰۲/۲

ہے اور حکومت کی طرف سے اس کی تلافی نہیں ہوتی، اگر بیمہ کے ذریعہ سرکاری کمپنی کے ساتھ تعلق قائم کیا جائے تو حکومت پوری طرح سے حفاظت بھی کرتی ہے اور نقصان کی صورت میں معاوضہ بھی ادا کرتی ہے تو کیا ایسی نازک ترین حالت میں ہندوستان اور اس جیسے ممالک کے مسلمانوں کے لئے املاک کا بیمہ کرانا ''الضرورات تبیح المحظورات''(۱) کے تحت داخل ہوتا ہے یا نہیں؟ —— تو اس کا جواب یہ ہے کہ فقہاء نے انفرادی حاجت کی بناء پر بھی سودی قرض لینے کی اجازت دی ہے: ''ویجوز للمحتاج الاستقراض بالربح''(۲) دوسری طرف ایک اُصول بھی ہے کہ جب دو مفسدات اور خرابیاں جمع ہو جائیں تو دونوں میں ''أخف'' کو اختیار کر کے ''اشد'' کو دور کرنے کی گنجائش ہے ''إذا تعارض مفسدتان روعی أعظمها ضرراً بإرتكاب أخفهما''(۳) ان سب اُصول سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ موجودہ دور میں حالات کے پیش نظر ہندوستان اور اس جیسے ممالک کے باشندے اپنے مال و جائداد کی حفاظت کے سلسلہ میں جس ضرر شدید سے دوچار ہیں وہ محتاج بیان نہیں؛ اس لئے ان حالات میں املاک و جائداد کا انشورنس (Insurance) جائز و درست ہونا چاہئے۔

البتہ اس میں بھی جو زائد رقم ملے گی، ان سب کو بلا نیت ثواب فقراء کو دے دینا ضروری ہوگا۔

املاک کے بیمہ کا جائز طریقہ

املاک کے بیمہ میں ایک صورت ایسی بھی ہے جس میں نہ تو سود ہوتا ہے اور نہ ہی قمار کی آمیزش پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ بیمہ شدہ املاک کی حفاظت کی ذمہ داری کمپنی خود لیتی ہے اور از خود یا اپنے وکیل کے ذریعہ حفاظت کرتی ہے، ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ نہ

(۱) الأشباه والنظائر مع شرح حموی: ۱۴۰

(۲) الأشباه والنظائر مع شرح حموی: ۱۴۹

(۳) الأشباه والنظائر مع شرح حموی: ۱۴۵

سود کا شائبہ ہے اور نہ ہی قمار کی آمیزش؛ لہٰذا جمع شدہ رقم حفاظت کی اُجرت کے حکم میں اور نقصان کی تلافی کی رقم ضمانت وتاوان کے درجہ میں ہوکر یہ صورت جائز قرار پائے گی۔

اس صورت کے جائز ہونے کی علامہ شامیؒ کی اس عبارت سے بھی تائید ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں :

ولو قال إن كان مخوفا وأخذ مالک فأنا ضامن ، ضمن ، وعلله الشارح هنالک بأنه ضمن الغار صفة السلامة للمغرور نصا ، أی بخلاف الأولی ؛ فإنه لم ينص علی الضمان بقوله : فأنا ضامن . (۱)

اگر کسی نے ضمانت کے الفاظ بولے اور کہا کہ تیرا مال چھینے جانے کی صورت میں میں ضامن ہوں گا، اب اگر راستہ میں مال چھین لیا گیا تو ضمانت دینے والا نقصان کا معاوضہ دے گا ، شارح (صاحب ''الدرالمختار'' علامہ حصکفیؒ متوفی:۱۰۸۸ھ) نے دونوں مسئلوں میں فرق اس طرح کیا ہے کہ دوسرے مسئلہ میں ضمانت کے الفاظ صراحتاً پائے جاتے ہیں؛ کیوں کہ ''أنا ضامن '' (میں ضامن ہوں) لفظوں میں موجود ہے اور پہلے مسئلہ (جسے چند صفحہ پہلے بیان کیا گیا ہے) میں اس طرح (یعنی: لفظ أنا ضامن) نہیں ہے۔

اضافی رقم کا مصرف

زندگی کے بیمہ اور املاک کے بیمہ میں ملنے والی رقم میں سے ہلاک شدہ مال کے بقدر اپنے لئے رکھ کر باقی رقم کو بلانیت ثواب غرباء وفقراء پر صرف کردیا جائے؛ لیکن یہ حکم آفت سماوی کا شکار ہوا ہو، اس کے برخلاف اگر ہندو مسلم فسادات میں ہلاکت ہوئی ہو

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار ، کتاب الجهاد ، باب المستأمن:۲۸۱/۶، ط: مکتبہ زکریا، دیوبند

اس وقت ہے جب زندگی کے بیمہ میں موت طبعی طور پر ہوئی ہو، یا املاک اور کاروبار کسی یا املاک وکاروبار برباد ہوا ہو تو پوری رقم جائز ہوگی، یعنی اصل رقم اور اضافی رقم دونوں کو اپنے کسی بھی مصرف میں خرچ کرسکتا ہے ؛ کیوں کہ انشورنس کمپنی نیم سرکاری کمپنی ہے اور مسلمانوں کا تحفظ بھی سرکار کی ذمہ داری ہے، حکومت کی طرف سے مسلمانوں کی حفاظت میں غفلت ؛ بلکہ ان کو نقصان پہنچانے کی سعی میں راست یا بالواسطہ ان کی شرکت شب و روز کا مشاہدہ ہے؛ اس لئے یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی لاپرواہی کی قیمت ادا کرے۔

ذمہ داری کا بیمہ

ذمہ داری کے بیمہ کی یہ صورت ہوتی ہے کہ بچوں کی تعلیم، شادی وغیرہ کے لئے بیمہ کمپنی ذمہ داری لیتی ہے، رقم وغیرہ کی ادائیگی اور وصولی کی صورتیں وہی ہوتی ہیں جو زندگی اور املاک کے بیمہ کی ہیں، اسی طرح بیمہ کرانے والے نے اگر متعینہ مدت پوری ہونے سے پہلے رقم جمع کرنے کا سلسلہ بند کردیا تو پہلے سے جمع شدہ رقم سوخت ہوجاتی ہے، طالب بیمہ کو وہ رقم واپس نہیں ملتی ؛ البتہ فرق یہ ہے کہ دونوں قسموں (یعنی زندگی کا بیمہ اور املاک کا بیمہ) میں رقم مکمل طور پر سوخت ہوجاتی ہے، اس کو دوبارہ بیمہ کرانا چاہے تو از سر نو معاملہ شروع کرنا پڑتا ہے، جب کہ ذمہ داری کے بیمہ میں طالبِ بیمہ کو یہ اختیار ہے کہ وہ جب چاہے درمیان کا بقایا بالاقساط ادا کر کے حسب سابق اقساط جمع کرتا رہے، بقایا اقساط ادا نہ کرنے کی صورت میں بھی بعض قواعد کے تحت اقساط کا سلسلہ دوبارہ جاری ہوسکتا ہے ؛ البتہ وہ سلسلہ منقطع کر کے جمع شدہ رقم واپس لینا چاہے تو ایسا نہیں ہوسکتا ؛ اس لئے بیمہ کی یہ صورت بھی سود و قمار ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

سندی کاغذات اور نوٹوں کا بیمہ

سندی کاغذات اور نوٹوں کے بیمہ کی صورت آج کل محکمہ ڈاک وغیرہ میں رائج ہے کہ ڈاکخانہ خطوط، نوٹ وغیرہ کو رجسٹری بیمہ کے ذریعہ دوسری جگہ ارسال کردیتا ہے، محکمہ ڈاک

وغیرہ سندات وکاغذات وغیرہ سر بمہر کر کے حفاظت کے وعدہ پر لیتا ہے اور اس حفاظت کی فیس بھی لیتا ہے، اگر خدانخواستہ کسی حادثہ کا شکار ہو گیا تو محکمہ اس کا ضامن بھی ہوتا ہے اور کسی حادثہ میں بیمہ شدہ سامان ضائع ہو جانے کی صورت میں تاوان بھی ادا کرتا ہے۔

اس صورت میں نہ تو سود ہے اور نہ ہی قمار وغیرہ کی خرابیاں؛ اس لئے یہ صورت شرعاً جائز و درست ہے، چنانچہ فقہاء کی رائے ہے کہ اگر امین سامان کی حفاظت پر اُجرت لے تو وہ اس سامان کا ضامن ہوتا ہے اور سامان ضائع ہو جائے تو اس کو تاوان ادا کرنا ہوتا ہے، علامہ ابن عابدین شامیؒ کی ایک تحریر سے بھی سندی کاغذات وغیرہ کے مروجہ بیمہ کا جواز معلوم ہوتا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں :

إن المودع إذا أخذ أجرة على الوديعة يضمنها إذا هلكت . (۱)

امانت رکھنے والا امانت کی حفاظت پر اجرت وصول کرے اور وہ مال ضائع ہو جائے تو وہ ضامن ہوگا۔

نیز دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ اگر کسی نے حفاظت کی ذمہ داری لیتے وقت ''میں ضمانت لیتا ہوں'' کا لفظ کہا تو وہ مال کے نقصان کے وقت ضامن ہوگا :

ولو قال إن كان مخوفا وأخذ مالك فأنا ضامن ضمن . (۲)

اگر اس نے ''ضمانت'' کے الفاظ بولے اور کہا تیرا مال چھینے جانے کی صورت میں ''میں ضامن'' ہوں اور راستہ میں مال چھین لیا گیا تو اس کی ضمانت لینے والا نقصان کا معاوضہ ادا کرے گا۔

چوں کہ محکمہ ڈاک وغیرہ بھی ضمانت کی مکمل ذمہ داری لیتا ہے اور مال ضائع ہو جانے کی صورت میں تاوان بھی دیتا ہے؛ اس لئے یہ صورت بھی اس اُصول پر جائز قرار پاتی ہے۔

---

(۱) ردالمحتار: ۲/۲۷۳، ط: مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ پاکستان۔

(۲) ردالمحتار: ۲/۲۷۳، ط: مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ پاکستان۔

سرکاری انشورنس

سرکاری ملازمین کی تنخواہ میں سے سرکار جیون بیمہ کے نام سے جو رقم کاٹ لیتی ہے، اس کی دو شکلیں ہیں :

۱- ملازم سے سرکار تنخواہ دیتے وقت لازمی اور جبری طور پر پراویڈنٹ فنڈ کی طرح جیون بیمہ کے نام سے تنخواہ کا ایک خاص حصہ کاٹ لیتی ہے اور پھر اپنے ضابطہ کے مطابق اس رقم پر سود کے نام سے اضافہ کرتی جاتی ہے اور بعد میں اصل رقم مع اضافی رقم ملازم کو اور اس کی موت کی صورت میں اس کے ورثہ کو دے دیتی ہے۔

سرکاری لائف انشورنس کی اس صورت کو عام طور پر علماء نے جائز قرار دیا ہے، ایک تو اس میں حکومت جبراً تنخواہ کا ایک حصہ وضع کر لیتی ہے، ایسی صورت میں اضافہ شدہ رقم سود کے دائرہ میں آتی نہیں ؛ اس لئے کہ شریعت میں سود اس کو کہا جاتا ہے کہ انسان اپنی ملکیت کی چیز دیدے اور پھر وہی چیز اضافہ کے ساتھ واپس آجائے اور اُجرت پر ملکیت ثابت ہونے کے لئے قبضہ شرط ہے، پس جب ملازم نے تنخواہ سے کٹی ہوئی رقم پر قبضہ ہی نہیں کیا تو وہ اس کا مالک بھی نہیں ہوا، اسی وجہ سے اس حصہ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ؛ لہٰذا اس رقم پر جو اضافہ ملے گا وہ سود نہیں ہوگا، اسی طرح یہ ''قمار'' کے دائرہ میں بھی داخل نہیں ہوگا ؛ کیوں کہ قمار میں ضروری ہے کہ دونوں طرف سے مال ہو ؛ حالاں کہ یہاں حکومت کی طرف سے مال ہے اور دوسری طرف سے عمل ہے ؛ اس لئے یہ اضافی رقم ''جوا'' میں داخل نہیں ہے ؛ بلکہ انعام کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز وحلال قرار پائے گا۔

۲- ملازم پر جیون بیمہ میں رقم جمع کرنے کے لئے کوئی قانون اور پابندی نہیں ہے ؛ بلکہ ملازم اپنی تنخواہ میں سے بخوشی ومرضی اس نام سے متعینہ رقم وضع کراتا ہے یا اپنے اختیار سے بیمہ پالیسی میں شریک ہوتا ہے اور اپنی تنخواہ میں سے اتنی رقم کاٹ لینے کا بینک کو اختیار دیتا ہے، تو ایسی صورت میں تنخواہ تقسیم کرنے والا اس ملازم کا وکیل ہوگا اور وکیل کا قبضہ شرعاً

خود موکل کا قبضہ ہوتا ہے؛ اس لئے اس طرح کٹوائی ہوئی رقم میں ملازم کی ملکیت ثابت ہوجاتی ہے؛ لہٰذا اس پر جو اضافی رقم ملے گی وہ شرعاً سود ہوگی اور ملازم کے لئے شرعاً ناجائز وحرام ہوگی، اس طرح اگر کچھ حصہ ضابطہ اور قانون کے تحت جیون بیمہ کے لئے کاٹا جاتا ہے اور ملازم اپنے فائدہ کے لئے مزید کچھ حصہ کٹوا دیتا ہے تو مزید کٹوائی ہوئی رقم پر جو اضافی رقم ملے گی وہ سود ہے اور بنص قطعی حرام ہے اور اسی وجہ سے اصل رقم کی زکوٰۃ بھی ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔

ای، ایس، اے کارپوریشن

ای-ایس-اے کارپوریشن ''امپلائز اسٹیٹ انشورنس کارپوریشن'' (Employes State Insurance Corporation) کا مخفف ہے، نئی دہلی میں بال بھوں سے متصل اس کمپنی کا Head quarter (مرکزی دفتر) ہے، اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ پورے ہندوستان میں جس کمپنی یا فیکٹری کے ملازمین کی تنخواہ تین ہزار سے کم ہو ای، ایس اے کارپوریشن ان کا جبری بیمہ کروالیتی ہے اور جس کی تنخواہ تین ہزار سے زائد ہوتی ہے ان کا جبری نہیں کراتی ہے۔

بیمہ کی شکل یہ ہوتی ہے کہ ملازم کی تنخواہ میں سے سوا دو فیصد کاٹ لیتی ہے اور اس کا دوگنا یعنی ساڑھے چار فیصد کمپنی یا فیکٹری کے مالک سے لے کر کل پونے سات فیصد (6.75%) کارپوریشن اپنے دفتر میں جمع کرلیتی ہے، مثلاً: بیس روپے ملازم کا ہے تو چالیس روپے مالک سے لے کر کل ساٹھ روپے جمع کرلیتی ہے اور کارپوریشن جو رقم بیمہ کے نام سے جمع کرلیتی ہے اس کی اصل رقم اور نفع کچھ بھی ملازم کو واپس نہیں کرتی؛ البتہ جب ملازم بیمار ہوجائے، یا اس کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو اس کے ان ایام کی پوری تنخواہ اور پورا خرچہ کارپوریشن برداشت کرتی ہے اور اسی طرح ملازم کی موت پر اس کے کفن ودفن کا خرچہ بھی برداشت کرتی ہے، نیز موت کے بعد اس کی فیملی کے لئے افراد کے تناسب اور مدتِ

ملازمت کے تناسب کی رعایت سے اس وقت تک کے لئے پنشن دیتی ہے جب تک کہ اس کے بچے برسرروزگار نہ ہو جائیں اور اگر ملازم کی اولاد نہ ہو تو اس کی بیوی کو تاحیات، یا تا نکاح ثانی من جانب کارپوریشن پنشن دی جاتی ہے، نیز اگر تھری فیس پاور کی بجلی استعمال ہوتی ہے تو کمپنی یا فیکٹری میں بیس سے کم افراد ملازم ہونے کی صورت میں بھی مذکورہ تفصیل سے ملازمین کا بیمہ کرایا جاتا ہے۔

بیمہ کی اس شکل میں سود کا ہونا واضح ہے؛ کیوں کہ جو رقم ای، ایس، اے کارپوریشن بیمہ کے نام سے لے لیتی ہے اور وہ واپس نہیں ملتی؛ البتہ حادثہ کے موقع پر مل سکتی ہے جو کہ امر متردد فیہ ہے اور اس طرح امر متردد فیہ کی وجہ سے ''قمار'' کا مفہوم اس میں موجود ہے؛ لہٰذا شرعی طور پر اس میں ملازم اور مالک فیکٹری دونوں کا شریک ہونا اپنے اختیار سے درست نہیں ہے؛ لیکن یہ بیمہ سرکار کی طرف سے جبراً کرایا جاتا ہے اور ملازم کے تنخواہ پر قبضہ کرنے سے پہلے ہی مذکورہ کارپوریشن اس رقم کو لے لیتی ہے؛ اس لئے اس کا حکم ''سرکاری جیون بیمہ'' کی پہلی صورت جیسا ہوگا کہ اضافی رقم سود اور قمار میں داخل نہ ہوگی؛ لہٰذا ملازم کی موت کے بعد ورثہ کو اوپر کی تفصیل کے مطابق جو رقم ملے گی، اگر وہ جمع شدہ رقم سے زیادہ ہو جائے تب بھی وہ رقم بلاشبہ حلال اور جائز ہوگی؛ اس لئے کہ زائد ملنے کی صورت میں یہ پراویڈنٹ فنڈ کے مشابہ ہوگا؛ کیوں کہ جس رقم پر اضافہ مل رہا ہے ملازم اس پر قبضہ نہ کرنے کی وجہ سے مالک نہ ہو سکا تھا؛ لہٰذا اضافہ شدہ رقم انعام اور تعاون کے حکم میں ہو کر جائز ہو جائے گی۔

گاڑی کا بیمہ

اکثر یورپی ممالک میں ہر گاڑی رکھنے والا شخص قانونی طور پر ذمہ دار ہے کہ اپنی گاڑی کے لئے کم از کم اس بات کا ضرور انشورنس کرائے کہ اگر کبھی گاڑی کا حادثہ ہو اور حادثہ میں اس سے غلطی ہوئی تو وہ دوسرے شخص کی گاڑی کے نقصان اور متاثرہ لوگوں کے علاج کا

پورا ذمہ دار ہوگا اور اپنی انشورنس کمپنی کی مدد سے دوسرے کا پورا نقصان ادا کرے گا۔

چوں کہ اس صورت میں گاڑی کے مالک کی طرف سے بیمہ کا معاہدہ خود اس کی طرف سے نہیں ہے؛ بلکہ حکومت کی طرف سے وہ اس پر مجبور ہے؛ لہٰذا بوقت ضرورت گاڑی کا انشورنس کرانے کی گنجائش ہوگی؛ لیکن بصورت حادثہ جمع شدہ رقم سے زائد جو رقم ملے گی، اس کو بلا نیت ثواب غرباء پر صدقہ کر دینا ضروری ہوگا۔

علاج کے لئے بیمہ (Helth Insurance)

امریکہ اور اکثر یورپی ممالک میں میڈیکل (علاج و معالجہ) سہولتیں پرائیوٹ اداروں کے سپرد ہیں، حکومتِ وقت کی طرف سے لوگوں کے علاج کے لئے ہسپتال وغیرہ کا انتظام نہ ہونے کے برابر ہے، حکومت کا کہنا ہے کہ مریض کو چوں کہ اچھے سے اچھے علاج اور دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے اور پرائیوٹ ادارے زیادہ خوش اُسلوبی سے علاج ومعالجہ کی سہولتیں بہم پہنچا سکتے ہیں؛ اس لئے اس کا انتظام ان کی طرف سے ہونا زیادہ مناسب ہے۔

دوسری طرف اگر کسی کی طبیعت خراب ہو جائے تو میڈیکل اسٹور والے بیمار شخص کو اس وقت تک دوا نہیں دیتے جب وہ ڈاکٹر کا نسخہ لے کر نہ آئے اور ڈاکٹر کی عموماً فیس پچاس ڈالر ہوا کرتی ہے، چاہے اس نسخہ میں ایک ہی ٹابلیٹ کیوں نہ لکھا گیا ہو، ایسے حالات میں عام لوگوں کے لئے علاج ومعالجہ بہت پریشان کن ہے؛ اس لئے وہاں کی پرائیوٹ کمپنیاں بیمہ کے ذریعہ علاج و معالجہ کی ذمہ داری لے لیتی ہیں، کمپنی طالبِ بیمہ سے ماہانہ کچھ رقم وصول کرتی ہے اور ضرورت پڑنے پر مریض کے تمام اخراجات انشورنس کمپنی ہسپتال کو ادا کرتی ہے، کمپنی میں رقم جمع کر کے انشورنس کرانے کی دو صورتیں ہوتی ہیں :

ایک تو دائمی انشورنس اور دوسرا وقتی انشورنس، یعنی ایک دو سال کے لئے وقتی انشورنس کی صورت یہ ہے کہ طالب بیمہ کو بیمہ کمپنی کے پاس یکمشت متعین رقم جمع کرنی پڑتی

ہے، اب اگر مدتِ متعینہ کے اندر طالبِ بیمہ کی صحت خراب ہو جاتی ہے تو کمپنی اس کے علاج کے تمام اخراجات ادا کرتی ہے اور اگر اس مدت میں کبھی بھی اس کی صحت خراب ہو جائے تو کمپنی اس کے علاج کی ذمہ داری لیتی ہے؛ البتہ اگر اس متعینہ مدت میں طالب بیمہ کی صحت خراب نہ ہوئی تو اس کی جمع کردہ رقم واپس نہیں ملتی؛ بلکہ سوخت ہو جاتی ہے۔

دائمی انشورنس کرانے کی صورت یہ ہے کہ کمپنی طالبِ بیمہ کی ڈاکٹری جانچ کرانے کے بعد حسب رپورٹ بیمہ کر لیتی ہے، اس میں ایک متعین مدت تک متعینہ رقم جمع کرنی پڑتی ہے اور اس متعینہ مدت کے اندر صحت خراب ہونے پر کمپنی اپنے خرچ سے طالب بیمہ کا علاج کراتی ہے، مگر دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں متعینہ مدت میں صحت خراب نہ ہوئی تو جمع شدہ رقم سوخت ہو جاتی ہے، جب کہ دوسری صورت میں اگر متعینہ مدت کے اندر صحت خراب نہیں ہوئی تو جمع شدہ رقم مع سود (علاج کی شکل میں) طالب بیمہ کو واپس مل جاتی ہے۔

علاج ومعالجہ کے لئے بیمہ کا شرعی حکم

اب سوال یہ ہے کہ اس طرح کے بیمہ کی شرعاً گنجائش ہوگی یا نہیں؟ اور کیا ''الضرورات تبیح المحظورات''(۱) کے تحت یہ داخل ہوگا یا نہیں؟

اس بیمہ کے حکم شرعی کے بارے میں غور کیا جائے تو دو پہلو سامنے آتے ہیں: ایک یہ کہ متعینہ مدت کے اندر طالب بیمہ کی صحت خراب ہوگی یا نہیں؟ اس کی دونوں جہتیں مساوی ہیں اور ایسی مبہم بات پر رقم حاصل ہونے اور نہ ہونے کو فقہاء ''جوا'' کہتے ہیں، نیز دوسری صورت میں اگر طالب بیمہ کی صحت متعینہ مدت کے اندر خراب نہیں ہوئی تو کمپنی کی طرف سے اس کی جمع کی گئی رقم مع سود لوٹا دی جاتی ہے، ظاہر ہے کہ یہ اضافی رقم بلاعوض ہے اور عقد معاوضہ میں ایسی زیادتی جو بلاعوض ہو سود ہے؛ اس لئے ''علاج ومعالجہ کا انشورنس'' بوجہ سود اور قمار کی آمیزش کے ناجائز ہونا چاہئے۔

(۱) الأشباه والنظائر مع شرح حموی: ۱۴۰

دوسری طرف یہ پہلو بھی قابل توجہ ہے کہ بہت غریب لوگ اگر (HealthInsurance) نہ کرائیں تو علاج و معالجہ نہیں کرا سکتے — ان دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے احکام ومصالح کی روشنی میں راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ جس شخص کو اپنی صحت خراب ہونے پر علاج ومعالجہ کی وسعت نہ ہونے اور اپنی جان کے خطرہ میں پڑ جانے کا غالب گمان ہو تو اس کے لئے ضرورت کی بنا پر Health Insurance یعنی علاج و معالجہ کا بیمہ کرانے کی گنجائش ہونی چاہئے؛ البتہ کمپنی سے ملنے والی اضافی رقم کو بلانیت ثواب غرباء ومساکین پر صرف کر دینا چاہئے۔

علاج کے لئے بیمہ کی ایک جائز صورت

یورپی ممالک میں علاج ومعالجہ کی سہولت نہ ہونے کی وجہ سے شروع شروع میں کسی کمپنی یا آفس میں کام کرنے والے تمام ملازمین مل کر فنڈ جمع کرتے تھے اور اسی فنڈ سے ممبر ملازموں کی بیماری کے وقت علاج کے لئے مدد کرتے تھے؛ البتہ تجارتی طور پر اس کا فائدہ حاصل نہیں کرتے تھے، اس میڈیکل انشورنس یا ہیلتھ انشورنس کے کسی بھی مرحلہ میں سود اور قمار نہیں ہے اور بھی کوئی چیز خلاف شریعت نہیں ہے؛ اس لئے امداد باہمی کی یہ صورت بلا کراہت جائز ہے؛ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس کے ممبران اجر وثواب کے بھی مستحق ہوں گے۔(۱)

خلاصۂ بحث

احکام شریعت اور انسانی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے ''بیمہ'' کے مندرجہ ذیل احکام سامنے آتے ہیں :

۱) زندگی کا بیمہ اصلاً جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ اس میں سود بھی ہے اور قمار بھی اور ان کے علاوہ دیگر مفسدات بھی۔

---

(۱) ناچیز نے انشورنس کی اکثر بحث میں جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے وہ درج ذیل ہیں: ردالمحتار، جواهر الفقه، جدید فقہی مسائل، حلال وحرام، امداد الفتاویٰ، آپ کے مسائل اور ان کا حل، فقہ اسلامی، احسن الفتاویٰ، ایضاح النوادر وغیرہ۔

۲) املاک ۔ بیمہ بھی اصلاً جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس میں بھی سوداور قمار کی آمیزش ہے۔

۳) اگر املاک کے بیمہ میں کمپنی حفاظت کی ذمہ داری لیتی ہے اور وہ اس کی حفاظت از خود یا اپنے وکیل کے ذریعہ کرتی ہے، تو اس صورت میں املاک کا بیمہ بعض حضرات کے قول پر جائز ہے۔

۴) ہندوستان اور اس جیسے ممالک میں مسلمانوں کو جان و مال کا سخت خطرہ اور نا قابل برداشت نقصان کا قوی اندیشہ ہو تو متدین مفتیان کرام کے فیصلے کی روشنی میں بقدر ضرورت انشورنس کرانے کی اجازت ہوگی۔

۵) بوقتِ ضرورت جان و مال کے بیمہ کرانے کی صورت میں انشورنس کرانے والے کے لئے اس کی اصل رقم ہی جائز وحلال ہوگی، اضافی رقم کو اپنی کسی بھی ذاتی مصرف میں خرچ کرنے کی گنجائش نہیں ہوگی؛ بلکہ اس رقم کو بلا نیت ثواب فقراء پر خرچ کرنا ضروری ہوگا، یہ حکم اس وقت کے ساتھ خاص ہے جب کہ موت طبعی طور پر ہوئی ہو، یا املاک کسی سماوی آفت کا شکار ہوئی ہوں، اس کے برخلاف اگر ہندو مسلم فسادات میں جان کی ہلاکت ہوئی ہو، یا املاک برباد ہوئی ہوں تو اصل رقم اور اضافی رقم دونوں جائز ہوں گی؛ کیوں کہ اس حالت میں اضافی رقم کو حکومت کی طرف سے لاپرواہی کی قیمت سمجھا جائے گا۔

۶) ملازم سرکار کے لئے انشورنس کی وہ تمام صورتیں — جن میں سرکاری قانون کے تحت انشورنس لازمی ہو — جائز ہوں گی۔

۷) حکومت کی طرف سے اپنے ملازمین اور کارکنوں کے لئے حادثات پیش آنے کی صورت میں تعاون کے نام سے انشورنس کی جو اسکیم چلائی جاتی

ہے، وہ جائز ہے۔

۸) جو سرکاری ملازم اپنے اختیار سے انشورنس کراتا ہے اور حکومت کی طرف سے وہ لازمی نہیں ہے، وہ شرعاً ناجائز ہے، قطعاً اس کی گنجائش نہیں ہے۔

۹) ڈاک وغیرہ میں سندی کاغذات اور نوٹ وغیرہ کا بیمہ شرعاً جائز و درست ہے۔

۱۰) ذمہ داری کا بیمہ (جو بچوں کی تعلیم، شادی وغیرہ کے لئے کرایا جاتا ہے) ، وہ جائز نہیں۔

۱۱) گاڑی کا انشورنس — جو سرکاری قانون کے تحت لازمی ہے — وہ جائز ہے۔

۱۲) علاج و معالجہ کا انشورنس (Health Insurance) جو اکثر یورپی ممالک میں ہوتا ہے، احقر کی رائے میں وہ مخصوص حالات میں جائز ہے، اگر انشورنس کے بغیر علاج نہ ہونے کی وجہ سے جان کے جانے یا شدید جسمانی ضرر پہنچنے کا غالب گمان ہو۔

۱۳) امداد باہمی کے طور پر علاج کا بیمہ جائز ہے؛ بلکہ یہ ایک مستحسن طریقہ ہے۔

جوا اور جوائے کی مروجہ شکلیں

چھٹا باب

لہو و لعب

لہوولعب کی حقیقت

انسان کا بامقصد کاموں کو چھوڑ کر بے مقصد اور لایعنی کاموں میں مبتلا ہوجانا ''لہوولعب'' کہلاتا ہے، یعنی جو بھی چیزیں انسان کو ضروری کاموں سے غافل کردیں، وہ لہوولعب میں داخل ہیں اور بعض اوقات ایسے کاموں کو بھی لہو کہہ دیا جاتا ہے جن کا کوئی خاص فائدہ نہ ہو، محض وقت گزاری کا مشغلہ، یا دل بہلانے کا سامان ہو، اسی کو قرآن کریم میں ''لَهْوَ الْحَدِيْثِ ''(۱) کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، ''لہوالحدیث'' کے معنی اور تفسیر میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم کی ایک روایت میں اس کی تفسیر گانے، بجانے سے کی گئی ہے، جب کہ جمہور صحابہ، تابعین اور اکثر مفسرین کے نزدیک ''لہوالحدیث'' عام ہے، اس کے تحت وہ ساری چیزیں داخل ہیں جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور یاد سے غفلت میں ڈال دیں، اس میں غناء اور مزامیر بھی داخل ہیں اور بیہودہ قصہ گوئی بھی۔(۲)

پہلی بات قابل غور یہ ہے کہ قرآن کریم نے جتنے مواقع پر ''لہوالحدیث'' کا ذکر کیا

---

(۱) سورۂ لقمان:۶

(۲) أحكام القرآن لمفتي محمد شفيع:۱۸۴/۳-۱۸۵، معارف القرآن:۴۰۷، والأحسن تفسيره بما يعم كل ذلك كما ذكرناه عن الحسن، وهو الذي يقتضيه ما أخرجه البخاري، في الأدب المفرد، وابن أبي الدنيا، وابن جرير وابن أبي حتم، وابن مردوية، والبيهقي في سننه عن ابن عباس رضي الله عنهما أنه قال ''لهو الحديث'' هو الغناء وأشباهه، وعلى جميع ذلك يكون الاشتراء استعارة لاختياره على القرآن واستبداله به، (روح المعاني:۱۰۲/۱۲، نیز دیکھئے: تفسیر کشاف:۲۱۰/۳، ط: دارالفکر بیروت)۔

ہے وہ مذمت اور برائی ہی کے مواقع میں آیا ہے، جس کا ادنیٰ درجہ کراہت ہے۔(۱)

اور سورۂ لقمان آیت نمبر چھ میں تو ''لہو'' کی مذمت بالکل واضح اور صریح ہے اور لہو کے باطل ہونے پر دلیل وہ حدیث بھی ہے جسے مستدرک حاکم نے ''کتاب الجہاد'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

كل شئ من لهو الدنيا باطل إلا ثلاثة انتضالك بقوسك وتأديبك لفرسك ..... وملاعبتك لأهلك فإنهن من الحق . (۲)

دنیا کا ہر لہو باطل ہے، مگر تین چیزیں، تیر اندازی کرنا، گھوڑوں کو جہاد کے لئے تیار کرنا اور اپنی بیوی کے ساتھ دل لگی کرنا، یہ سب تو حق ہیں (لہو میں داخل نہیں)۔

اس حدیث میں لہو کو باطل قرار دیا گیا ہے اور جن تین چیزوں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے وہ درحقیقت لہو میں داخل ہی نہیں ہیں؛ کیوں کہ لہو تو اس کام کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی خاص دینی یا دنیوی فائدہ نہ ہو اور مذکورہ تینوں چیزیں ایسی ہیں جن سے بہت سے دینی اور دنیوی فوائد وابستہ ہیں، تیر اندازی اور گھوڑ دوڑ تو جہاد کی تیاری میں داخل ہیں اور بیوی کے ساتھ ملاعبت توالد وتناسل کے مقصد کی تکمیل ہے، ان کو صرف صورت اور ظاہر کے اعتبار سے ''لہو'' کہہ دیا گیا ہے، ورنہ حقیقت کے اعتبار سے یہ ''لہو'' نہیں۔

چنانچہ ایک دوسری روایت میں جو ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اس کی تصریح موجود ہے، حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں :

ليس من اللهو ثلاث : تأديب الرجل فرسه وملاعبة

---

(۱) معارف القرآن: ۷/۲۱، بحواله روح المعانی وتفسیر کشاف۔

(۲) المستدرك على الصحيحين لحاكم: ۲/۱۰۴، حدیث نمبر: ۲۴۶۷/۹۳، ط: دار الكتب العلمية، بيروت لبنان۔

أهله ورميه بقوسه ونبله . (۱)

تین چیزیں لہو میں داخل نہیں ہیں، اپنے گھوڑوں کو سدھانا، اپنی بیوی کے ساتھ ملاعبت کرنا اور تیر و کمان کے ساتھ تیر اندازی کی مشق کرنا۔

اس حدیث میں خود تصریح ہے کہ یہ تین چیزیں دراصل ''لہو'' میں داخل ہی نہیں ہیں اور جو چیزیں حقیقتاً لہو میں داخل ہیں کہ نہ ان میں کوئی دینی فائدہ ہے اور نہ دنیاوی، وہ سب کی سب مذموم اور ممنوع ہیں، ان میں سے بعض تو کفر کی حد تک پہنچ جاتی ہیں، بعض حرام ہیں اور بعض مکروہ تنزیہی۔

(۱) جو کھیل دین سے گمراہ ہونے یا دوسروں کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بنے، وہ لہو ہے۔

(۲) اگر کوئی ''لہو ولعب'' لوگوں کو اسلامی عقائد سے تو گمراہ نہیں کرتا؛ مگر ان کو کسی حرام اور معصیت میں مبتلا کر دیتا ہے، وہ کفر تو نہیں، مگر حرام اور سخت گناہ ہے، جیسے :

(الف) وہ تمام کھیل جس میں قمار اور جوا ہو، یعنی: ہار جیت پر مال کا لین دین ہو۔

(ب) محض کھیل تماشہ کی نیت سے کوئی کھیل کھیلا جاتا ہو، نہ اس میں کوئی دینی فائدہ ہو نہ دنیوی۔

(ج) جائز شرائط سے خالی ہو (جو شرائط ''مسابقات'' کی بحث میں آئیں گی)۔

(د) جو لہو ولعب انسان کے لئے فرائض و واجبات اور احکام نماز و روزہ وغیرہ سے مانع ہو جائے — یہ سب حرام کھیل ہیں۔

(۳) اور جن کھیلوں میں نہ کفر ہو، نہ کوئی کھلی ہوئی معصیت و گناہ ہو تو وہ مکروہ ہیں؛ کیوں کہ ایک بے فائدہ کام میں اپنی توانائی اور وقت کو ضائع کرنا ہے، پھر اپنے مدمقابل کے ہار جانے کے وقت اس کی توہین کرنا، جو عموماً ہوا ہی کرتا ہے، ایذاء ہے اور یہ شرعاً

(۱) سنن أبي داؤد ، كتاب الجهاد ، باب في الرمي ،حدیث نمبر:۳۵۱۵،سنن النسائي ، كتاب الخيل ، باب تأديب الرجل فرسه ،حدیث نمبر:۳۵۹۳

ممنوع ہے۔

(۴) جو کھیل بدن کی ورزش، صحت وتندرستی یا کسی دوسرے دینی یا دنیوی فوائد کے لئے کھیلا جاتا ہو اور اس میں غلو نہ کیا جائے کہ ان ہی کو مشغلہ بنالیا جائے اور نہ اس کی وجہ سے شرعی ذمہ داریوں، فرائض وواجبات میں خلل پڑتا ہو اور نہ ہی ایسے مباح اُمور میں خلل واقع ہوتا ہو جو دنیوی اعتبار سے ضروری کاموں میں شمار کئے جاتے ہوں تو ایسا کھیل شرعاً مباح ہے؛ بلکہ دینی کاموں میں معین ہونے کی نیت سے کھیلا جائے تو باعث ثواب بھی ہے۔

اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں لہو ولعب کی بعض صورتوں کا جائزہ لیا جائے کہ کونسے کھیل شرعی اعتبار سے مباح وجائز ہیں اور کون سے ناجائز، نیز کونسے کھیل ''جوا'' کے ضمن میں آتے ہیں اور کون سے نہیں؟

مسابقت کی لغوی وشرعی تعریف

''مسابقہ'' لفظ ''سبق'' سے نکلا ہے اور ''سبق'' باء کے جزم اور فتحہ دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے، جس کے معنی آگے بڑھنے کے ہیں، مگر علامہ ابن عابدینؒ (۱۱۹۸-۱۲۵۲ھ) فرماتے ہیں: ''سبق'' کو اگر باء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا جائے تو مسابقہ میں جیتنے والے کے لئے مقرر کئے ہوئے مال کو کہتے ہیں اور اگر اسے جزم کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ مصدر ہوگا جس کے معنی آگے بڑھنا، اس کے برخلاف امام خطابیؒ نے جزم کو غیر صحیح قرار دیتے ہوئے باء کے فتحہ کو صحیح قرار دیا ہے، جیسا کہ ''ردالمحتار'' میں ہے:

والسبق بفتح الباء: ما يجعل من المال للسابق على سبقة، وبالسكون مصدر ..... قال الخطابيؒ: والرواية الصحيحة بالفتح. (۱)

(۱) ردالمحتار: ۵۷۶/۹، باب الحظر والإباحة۔

''سبق'' باء کے فتحہ کے ساتھ مسابقہ میں بازی جیتنے والے کے حصہ کو کہتے ہیں اور باء کے جزم کے ساتھ (پڑھا جائے تو) یہ مصدر ہے..... خطابیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح روایت ''باء'' میں فتحہ کے ساتھ ہے۔

یہی بات علامہ بہوتیؒ نے بھی لکھی ہے،(۱) اور علامہ ابن قدامہؒ کا بھی یہی خیال ہے۔(۲)

علامہ ابن منظورؒ (م:۶۳۰ھ-۷۱۱ھ) لکھتے ہیں :

السبق : القدمة فی الجری وفی کل شئ ..... مصدر سبق . (۳)

''سَبْقَ'' دوڑ وغیرہ میں آگے بڑھنے کو کہتے ہیں..... یہ ''سَبَقَ'' کا مصدر ہے۔

''مسابقہ'' کی شرعی تعریف بھی قریب قریب یہی ہے، جیسا کہ علامہ علاء الدین کاسانیؒ (م:۵۸۷ھ) رقمطراز ہیں :

هو أن يسابق الرجل صاحبه في الخيل أو الإبل ونحو ذلک ، فيقول : إن سبقتک فکذا ، وإن سبقتنی فکذا . (۴)

کسی شخص کا گھوڑے، یا اونٹ وغیرہ کی دوڑ میں اپنے مدمقابل سے مسابقت کرنے کا نام ''مسابقہ'' ہے، مثلاً: ایک شخص کہے کہ

---

(۱) الروض المربع:۳۴۹/۲، نیز دیکھئے:زاد المحتاج فی شرح المنهاج:۴۳۴/۴،مغنی المحتاج:۳۱۱/۴

(۲) المغنی:۴۱۲/۱۳، نیز دیکھئے:الشرح الکبیر:۹/۱۵

(۳) لسان العرب:۱۵۰/۱۰،المحلی لابن حزم:۲۶۳/۷،شرح المنتهی المعروف بحاشیة النجدی:۱۲۶/۳

(۴) بدائع الصنائع:۲۰۶/۶، ط:دارالفکر

اگر میں تم سے آگے بڑھ گیا تو تمہیں اتنا دینا پڑے گا اور اگر تم
مجھ سے آگے بڑھ جاؤ گے تو میں تم کو اتنا دوں گا۔
مختلف اہل علم نے الفاظ کے فرق کے ساتھ یہی بات کہی ہے۔(۱)

مسابقہ کی مشروعیت

مسابقہ کی مشروعیت قرآن وحدیث اور اجماعِ اُمت سے ثابت ہے، بلا استیعاب چند آیات اور چند احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

کتاب اللہ

۱- فرمان خداوندی ہے :

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ مِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُمْ . (۲)

اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ کر سکو، قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر۔

اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے قوت اور گھوڑوں کی تیاری کا حکم فرمایا ہے، ان کے استعداد کے وسائل میں ''مسابقہ'' سرفہرست ہے؛ اس لئے اس آیت شریفہ سے ''مسابقہ'' کی مشروعیت معلوم ہوتی ہے۔

جیسا کہ علامہ ابن عربیؒ (۴۶۷-۵۴۳ھ) فرماتے ہیں :

أن المسابقة شرعت في الشريعة وخصلة بديعة

---

(۱) منتهى الإرادات:۱۲۶/۳، حاشية النجدى على منتهى الإرادات:۱۲۶/۳، الروض المربع:۳۴۹/۲، الإقناع:۴۱/۲، الشرح الكبير للدردير مع حاشية الدسوقى:۵۳۲/۲، ردالمحتار:۵۷۶/۹

(۲) الأنفال:۶۰

وعون سی الحرب وقد فعله النبی صلی الله علیه وسلم بنفسه وبخیله . (۱)

مسابقہ شریعت میں مشروع ہے اور وہ عمدہ خصلت ہے اور جنگ میں بھی معاون ہے، حضور اقدس ﷺ نے خود بھی اور اپنے گھوڑے سے بھی مسابقہ فرمایا۔

۲- ارشاد ربانی ہے :

وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَا عَدُّوْا لَهُ عُدَّةً . (۲)

اور اگر وہ (جہاد میں) نکلنا چاہتے تو اس کا سامان ضرور تیار کرتے۔

اس آیت شریفہ میں منافقوں کے دشمن سے مقابلہ سے پہلے تیاری نہ کرنے اور ان کے مقابلہ پر نہ نکلنے پر مذمت کی گئی ہے اور جیسا کہ مذکور ہوا تیاری کی ایک شکل ''مسابقہ'' بھی ہے۔

۳- اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے قصہ میں بیان فرمایا ہے :

إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا . (۳)

ہم سب تو آپس میں دوڑ لگانے میں (کہ کون آگے نکلے) لگ گئے اور یوسف (علیہ السلام) کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا۔(۴)

اس آیت شریفہ سے بھی ''مسابقہ'' کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے، جیسا کہ امام قرطبیؒ نے وضاحت کی ہے، وہ فرماتے ہیں :

---

(۱) أحكام القرآن لابن عربی:۳۹/۳

(۲) التوبة:۴۶

(۳) یوسف:۱۷

(۴) معارف القرآن:۲۷/۵

قو لـه تعالى : (نستبق) نفتعل من المسابقة ، وقيل : أى نـنتـضل ..... وهو نوع من المسابقة قاله الزجاج ، وقـال الأزهـري : الـنـضـال فـي السهـام والرهان في الـخيـل ، والـمسـا بـقة تـجـمعهمـا ، قـال القشيري أبـونـصـر : (نستبق) أى في الرمي ، أو على الفرس ، أو على الأقدام . (۱)

زجاج فرماتے ہیں کہ فرمان خداوندی (نستبـــق) کا معنی ''مسابقہ'' ہے اور کہا گیا ہے اس کے معنی تیراندازی کے ہیں اور تیراندازی بھی ''مسابقہ'' ہی کی ایک قسم ہے، امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ تیراندازی میں مقابلہ کرنا اور گھوڑ دوڑ کرنا دونوں کے مجموعہ کا نام ''مسابقہ'' ہے ابونصر قشیریؒ فرماتے ہیں ''نستبق'' کا معنی تیراندازی، یا گھوڑ دوڑ، یا پیادہ دوڑ میں مسابقت کے ہیں۔

امام فخر الدین رازیؒ (۵۴۸-۶۰۶ھ) کا بھی یہی نقل کیا ہے۔(۲)

ان آیات اور مفسرین کی تشریحات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ ''مسابقہ'' کی مشروعیت قرآن کریم سے ثابت ہے۔

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

۱- عـن أبى هريرة رضى الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : لا سبق إلا فى خف أو حافر أو

(۱) الجامع لأحكام القرآن للقرطبى:۹۶/۹

(۲) التفسير الكبير:۶/۹،الجامع لأحكام القرآن للقرطبى:۹۶/۹

نصل . (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:
اونٹ یا گھوڑا یا تیراندازی جیسے چیزوں کے سوا باقی چیزوں میں
مسابقہ نہیں ہے۔

۲- امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل کی ہے۔

أن النبی صلی الله علیه وسلم سابق بین الخیل التی لم تضمر وکان أمدها من الثنیة إلی مسجد بنی زریق وأن عبد الله بن عمر کان سابق بها . (۲)

حضور اقدس ﷺ نے ایسے گھوڑوں کے درمیان ''مسابقہ'' کرایا جو نحیف اور کمزور نہ تھا اور اس کا میدان ''ثنیہ'' سے ''مسجد بنی زریق'' تک کا تھا اور راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما خود اس میں حصہ لیتے تھے۔

دوسری روایت میں ''ثنیہ'' سے ''مسجد بنی زریق'' کے درمیان کا فاصلہ چھ، یا سات میل بتایا گیا ہے، اسی طرح جو جانور کمزور ہوتے اس کے مقابلہ کا فاصلہ کم رکھا جاتا۔

۳- اسی طرح احادیث میں پیادہ دوڑ میں بھی مسابقت کا ثبوت ملتا ہے؛ چنانچہ امام ابوداؤدؒ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے :

أنها کانت مع النبی صلی الله علیه وسلم فی سفر ، قالت : فسابقته فسبقته علی رجلیَّ فلما حملت اللحم

---

(۱) سنن أبی داؤد ، کتاب الجهاد ، باب السبق ،حدیث نمبر:۲۵۷۶،سنن النسائي ، کتاب الخیل ، باب السبق ،حدیث نمبر:۳۶۰۴،سنن ابن ماجة ، کتاب الجهاد ،حدیث نمبر:۲۹۸۸

(۲) صحیح البخاري ، کتاب الجهاد ، باب إضمار الخیل للسبق ،حدیث نمبر:۲۸۶۹، سنن أبی داؤد ، کتاب الجهاد ، باب السبق ،حدیث نمبر:۲۵۷۷

سابقته فسبقنی ، فقال : هذه بتلک السبقة . (۱)

ایک مرتبہ وہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ سفر میں تھیں تو دونوں کے درمیان پیادہ دوڑ کی مسابقت ہوئی تو وہ حضور اقدس ﷺ پر سبقت لے گئیں اور دوسری مرتبہ جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بدن بھاری ہو چکا تھا تو پھر مقابلہ ہوا اور آپ ﷺ سبقت لے گئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ پہلے کے بدلے میں ہو گیا۔

ان احادیث سے ''مسابقت'' کی مشروعیت واضح ہو جاتی ہے، اسی طرح احادیث میں نیزہ بازی، اونٹ دوڑ، گھوڑ دوڑ، تیر اندازی اور بعض اور چیزوں میں مسابقت کا ثبوت ملتا ہے۔

اجماع

مسابقت کی مشروعیت پر اُمت مسلمہ کا اجماع بھی ہے؛ چنانچہ علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ رقمطراز ہیں :

أجمع المسلمون على جواز المسابقة فی الجملة . (۲)

''مسابقہ'' کی تمام صورتوں کے جائز ہونے پر اُمتِ مسلمہ کا اجماع ہے۔

بلکہ فقہائے شوافعؒ نے تو تیاری جہاد کے لئے مسابقات کو مسنون قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ نوویؒ (۶۳۱-۶۷۶ھ) لکھتے ہیں :

---

(۱) سنن أبی داؤد ،کتاب الجهاد ، باب السبق علی الرِجل ،حدیث نمبر:۲۵۸۰،مسند أحمد ، حدیث نمبر:۲۶۳۲۰

(۲) المغنی:۴۰۴/۱۳،الشرح الکبیر لابن قدامة :۶/۱۵،حاشیة النجدی علی المنتهی الإرادات : ۱۲۶/۳،الجامع لأحکام القرآن:۹۷/۹،فتح الباری شرح البخاری :۹۰/۶

المسابقة والمناضلة جائزتان بل سنتان إذا قصد بهما التأهب للجهاد . (۱)

''مسابقہ'' اور تیراندازی دونوں جائز کھیل ہیں ؛ بلکہ جہاد کی تیاری کے لئے سنت ہے۔

مسابقہ میں معاوضہ یا انعام

بہر حال'' مسابقہ'' کا جائز ہونا قرآن و حدیث اور اجماع سے ثابت ہے اور احادیث میں جہاں کہیں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے، اس سے مراد معاوضہ یا انعام کی بنیاد پر کھیلنا ہے؛ البتہ جن تین چیزوں کا استثناء کیا گیا ہے، صرف ان میں معاوضہ درست ہے ، یعنی اونٹ کی دوڑ ، گھوڑ دوڑ ، تیراندازی ، یہی مسلک امام مالکؒ ، امام احمدؒ کا ہے اور امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے؛ جب کہ احناف نے ان تینوں کے ساتھ ساتھ پیادہ دوڑ کے مسابقہ میں بھی انعام کو جائز قرار دیا ہے؛ کیوں کہ پیادہ دوڑ بھی قوتِ جہاد اور جسمانی صحت کے لئے معین ہے اور اس کا ثبوت بھی حدیث پاک سے ہے ؛ چنانچہ علامہ ابن قدامہؒ (المتوفی:۶۲۰ھ) لکھتے ہیں :

أن المسابقة بعوض لا تجوز إلا فی هذه الثلاثة ، وبهذا قال الزهری ، ومالک ، وقال أهل العراق : يجوز ذلک فی المسابقة علی الأقدام والمصارعة ..... ولأصحاب الشافعی وجهان . (۲)

ان تین چیزوں (تیراندازی، گھوڑ دوڑ اور اونٹ دوڑ) کے علاوہ بقیہ مسابقہ میں انعام جائز نہیں ہے ، یہی قول زہریؒ اور امام

---

(۱) روضة الطالبين:۳۵۰/۱۰،ط : المكتب الإسلامی''مسنون بالإجماع ''نهاية المحتاج شرح المنهاج:۱۶۴/۸،زاد المحتاج شرح المنهاج:۴۳۴/۴، مغنی المحتاج شرح المنهاج:۳۱۱/۴

(۲) المغنی:۴۰۶/۱۳،المجموع:۱۵۲/۱۵

مالکؒ کا ہے، اہل عراق (احناف) کے نزدیک پیادہ دوڑ اور کشتی لڑنے میں بھی مسابقہ بالعوض جائز ہے؛ البتہ امام شافعیؒ کے دو اقوال ہیں۔

اسی طرح علامہ داماد آفندیؒ لکھتے ہیں :

تجوز المسابقة بالسهام والخيل والحمير والإبل والأقدام . (۱)

تیر اندازی، گھوڑ دوڑ، اونٹ دوڑ، پیادہ دوڑ اور گدھا دوڑ کے ذریعہ "مسابقہ" جائز ہے۔

مسابقہ میں انعام یا معاوضہ کی شرائط

یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ مخصوص چیزوں کے مسابقہ میں انعام یا معاوضہ جائز ہے؛ لیکن اس کے لئے بھی چند شرائط ہیں :

(الف) جو انعام یا معاوضہ مقرر کیا جائے وہ معلوم و متعین ہو، مجہول اور غیر متعین نہ ہو۔(۲)

(ب) مسابقہ میں جیتنے والے کے لئے آپس میں معاوضہ یا انعام فریقین میں سے صرف ایک طرف سے ہو، مثلاً: دو آدمی گھوڑ دوڑ کا مسابقہ کر رہے ہوں اور ایک کہے کہ اگر تم آگے نکل جاؤ گے تو تم کو ایک ہزار انعام دوں گا، اگر میں آگے بڑھ گیا تو تم سے کچھ نہیں لوں گا، یہ صورت یعنی یک طرفہ معاوضہ یا انعام شرعاً جائز ہے۔

(ج) دونوں نے آپس میں کچھ معاوضہ یا انعام مقرر نہیں کیا؛ بلکہ تیسرے شخص یا

---

(۱) مجمع الأنهر والدر المنتقى ملتقى الأبحر:۵۴۹/۲،الدر المختار مع رد المحتار:۵۷۶/۹

(۲) ردالمحتار:۵۷۷/۹،ط: مکتبہ زکریا، دیوبند،المغنی:۴۰۸/۱۳

کوئی جماعت، یا حکومت وقت کی طرف سے بطور انعام کوئی رقم یا کوئی چیز آگے بڑھنے والے کے لئے مقرر کی جائے، یہ بھی جائز ہے۔

(د) دونوں طرف سے آپس میں معاوضہ مقرر ہو، مثلاً: فریقین میں سے ایک کہے کہ اگر تم مجھ سے آگے نکل جاؤ گے تو تم کو اتنا دوں گا، اگر میں تجھ سے آگے نکل جاؤں تو تم مجھ کو اتنا دینا، یہ صورت قمار کی ہے اور ناجائز وحرام ہے۔

وإن شرط (من كلا الجانبين يحرم) بأن يقول إن سبق فرسک أعطيتک كذا وإن سبق فرسي فأعطني كذا؛ لأنه يصير قماراً والقمار حرام. (۱)

اگر دونوں طرف سے شرط لگائی گئی، یہ حرام ہے، یعنی: یوں کہے کہ اگر تیرا گھوڑا آگے نکل گیا تو میں تجھے اتنا اتنا دوں گا، اگر میرا گھوڑا آگے نکل گیا تو تم مجھے اتنا اتنا دینا؛ کیوں کہ یہ قمار ہے اور قمار حرام ہے۔

لیکن فریقین کی دوطرفہ شرط بھی ایک خاص صورت میں احناف کے نزدیک جائز ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ فریقین اپنے ساتھ کسی تیسرے آدمی کو مسابقہ میں شریک کرلیں، پھر اس کی بھی دو صورتیں ہوتی ہیں:

۱- پہلی صورت یہ ہے کہ اس طرح شرط لگائے کہ تیسرے آدمی کے سبقت حاصل کرلینے کی صورت میں کوئی انعام نہیں ہوگا، مثلاً: علی اور عمر کے درمیان مسابقہ ہو رہا ہے تو اس میں زید کو بھی شامل کرلے کہ اگر علی آگے بڑھ جائے تو عمر اس کو ایک ہزار روپے دے اور اگر عمر آگے بڑھ جائے تو علی اتنی ہی رقم عمر کو دے؛ البتہ زید آگے بڑھ جائے تو کسی کے ذمہ کچھ دینا نہیں ہے۔

(۱) مجمع الأنهر: ۵۴۹/۲، ردالمحتار: ۵۷۷/۹، المغنی: ۴۰۸/۱۳، المجموع شرح المهذب: ۱۵۰/۱۵

۲- اگر زید آگے بڑھ جائے تو عمر اور علی دونوں اس کو ایک ایک ہزار روپے دیں اور عمر یا علی دونوں میں سے کوئی ایک آگے بڑھ جائے تو زید کے ذمہ ان کو کچھ دینا نہیں؛ البتہ عمر آگے بڑھ جائے تو علی عمر کو ایک ہزار روپے دے اور اگر علی آگے بڑھ جائے تو عمر اس کو ایک ہزار روپے دے تو یہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔(۱)

ان دونوں صورتوں میں جو تیسرے شخص (زید) کو شریک کیا گیا ہے اس کو حدیث شریف میں ''محلل'' کہا گیا ہے اور دونوں صورتوں میں اس کا نفع متعین ہے، کوئی نقصان نہیں ہے۔

محلل کے لئے ضروری شرائط

''محلل'' کے لئے ضروری ہے کہ اس کا گھوڑا چستی وقوت کے اعتبار سے دونوں فریق کے گھوڑوں کے برابر حیثیت کا ہو، جس کی وجہ سے اس کے گھوڑے کے آگے بڑھ جانے یا پیچھے رہ جانے میں دونوں پہلو کا برابر امکان ہو، ایسا نہ ہو کہ کمزوری یا عیب کی وجہ سے اس کا پیچھے رہ جانا عادۃً یقینی ہو، یا زیادہ قوی اور چالاک ہونے کی وجہ سے اس کا آگے بڑھ جانا یقینی ہو، اگر ایسا ہو تو یہ قمار کا معاملہ قرار پا کر ناجائز وحرام ہوگا؛ چنانچہ حدیث نبوی میں ہے :

عن أبی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم قال : من أدخل فرساً بين فرسين يعنی : وهو لا يؤمن أن يسبق فليس بقمار ، ومن أدخل فرساً بين فرسين وقد أمن من أن يسبق فهو قمار . (۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے

---

(۱) مجمع الأنهر:۵۴۹/۲،فتاویٰ سراجیه:۷۶

(۲) سنن أبی داؤد،كتاب الجهاد ، باب المحلل ،حدیث نمبر:۲۵۸۱،سنن ابن ماجة ، كتاب الجهاد ، باب السبق والرهان ،حدیث نمبر:۲۹۸۶

کہ جو شخص دو آدمیوں کے درمیان گھوڑ دوڑ کے مسابقہ میں شریک کیا گیا اور اس کا پیچھے رہ جانا یقینی نہ ہو تو یہ قمار کا معاملہ نہیں ہے اور جو شخص دو گھوڑوں کے درمیان اس یقین کے ساتھ شریک کیا گیا کہ اس کا پیچھے رہ جانا یقینی ہو تو یہ صورت قمار کی ہوگی۔

اس کی تشریح میں علامہ عبدالرحمٰن بناءؒ لکھتے ہیں :

إذا علم أن فرسه سابق غير مسبوق لمزية يعرفها فيه (فهو قمار) أي لا يجوز له أخذ الرهان ؛ لأنه قمار . (۱)

جب (تیسرے شخص کو کسی طرح سے یہ بات) معلوم ہو کہ اس کا گھوڑا یقیناً بازی لے جائے گا، وہ ہارنے والا نہیں ہے تو یہ صورت قمار کی ہے؛ اس لئے بازی میں جو انعام یا معاوضہ مقرر کیا گیا ہے، اس کو لینا اس کے لئے جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ قمار ہے اور حرام ہے۔

جن احکام کو گھوڑ دوڑ کا نام لے کر بیان کیا گیا ہے، وہی احکام اونٹوں کی دوڑ، پیادہ دوڑ اور تیر اندازی ونشانہ بازی کے بھی ہیں۔

دیگر کھیلوں میں شرط لگانا

آج کل دنیا میں کھیل کود کے متعدد طریقے ایجاد ہو گئے ہیں، مثلاً: فٹ بال، کرکٹ، ہاکی، والی بال، ریس، گولف اور ٹینیس وغیرہ جو عالمی پیمانے پر کھیلے جاتے ہیں، جو ملک ان میں بازی لے جاتا ہے تو وہ اس کے لئے باعث افتخار ہوتا ہے اور اس کو پوری دنیا عزت کی نظر سے دیکھتی ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان جیسے کھیلوں میں ہار جیت پر انعام یا معاوضہ مقرر کرنے کی شرعاً اجازت ہوگی؟

---

(۱) بلوغ الأماني على هامش الفتح الرباني: ۱۲۶/۱۴

فقہاء کی صراحت ہے کہ مذکورہ بالا چار چیزوں (گھوڑ دوڑ ، اونٹ دوڑ ، پیادہ دوڑ اور تیر اندازی) کے علاوہ بقیہ تمام کھیلوں میں انعام یا معاوضہ کی شرط لگانا جائز نہیں ہے ، چاہے ان میں ایک طرفہ شرط ہی کیوں نہ ہو؛ چنانچہ علامہ ابن عابدین شامیؒ رقمطراز ہیں :

ولهذا لا يجوز فيما عدا الأربعة كالبغل ، وإن كان الجعل مشروطاً من أحد الجانبين . (۱)

ان چاروں کھیلوں کے علاوہ بقیہ چیزوں جیسے : گدھا دوڑ وغیرہ میں انعام یا معاوضہ مقرر کرنا جائز نہیں ہے ، اگر چہ اس میں ایک طرفہ شرط ہی کیوں نہ ہو۔

البتہ جن جن کھیلوں سے کچھ دینی یا دنیوی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں ، وہ جائز ہیں ، بشرطیکہ فوائد کی نیت بھی ہو ، محض لہو ولعب اور کھیل تماشہ کی نیت نہ ہو ، نیز اس کی بازی جیتنے پر کوئی انعام یا معاوضہ مشروط نہ ہو :

وأما بلا جعل فيجوز في كل شئ . (۲)

بلا انعام ومعاوضہ کے ہر کھیل جائز ہے۔

کشتی لڑنا

مصارعہ کا معنی ہے پچھاڑنا اور کشتی لڑنا ، ایک روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے یزید بن رکانہ کے ساتھ مصارعہ میں ایک بکری کی شرط لگائی تھی ، یہ حدیث علامہ شوکانیؒ (۱۱۷۳ھ-۱۲۵۰ھ) نے ''نیل الاوطار'' میں نقل کی ہے ، (۳) جب کہ دوسری روایت میں

---

(۱) ردالمحتار : ۹/۵۷۷ ، ط : مکتبہ زکریا ، دیوبند۔

(۲) ردالمحتار : ۹/۵۷۶ ، ط : مکتبہ زکریا ، دیوبند۔

(۳) نيل الاوطار ، كتاب الجهاد ، والسير ، باب ما جائفي المسابقة على الأقدام والمصارعة : ۸/۱۰۴-۱۰۵

ہے کہ اس مصارعہ میں کوئی شرط نہیں لگائی گئی تھی، اس کو امام ابوداؤدؒ نے ''کتاب اللباس ، باب فی العمائم ''میں اور امام ترمذیؒ نے بھی ''کتاب اللباس ''میں حضرت ابوجعفر بن محمد بن علی بن رکانہ سے روایت کیا ہے، الفاظ حدیث اس طرح ہیں :

إن ركانة صارع النبى صلى الله عليه وسلم فصرعه النبى صلى الله عليه وسلم . (۱)

رکانہ نے حضور اقدس ﷺ سے کشتی لڑی تو حضور اقدس ﷺ نے اسے پچھاڑ دیا۔

اسی بنا پر فقہاء کے درمیان بھی اختلاف ہے، بعض حضرات کے نزدیک کشتی میں معاوضہ کی شرط جائز ہے، جب کہ جمہور فقہاء کے نزدیک جائز نہیں ہے، جو حضرات جواز کے قائل ہیں ، وہ اپنی دلیل میں یزید بن رکانہ کی روایت پیش کرتے ہیں ، جیسا کہ ''المجموع ''میں ہے :

واختلفوا فى الصراع ، فمنهم من قال : يجوز بعوض لما روى أن النبى صلى الله عليه وسلم صارع يزيد بن ركانة على شاة فصرعه ، ثم عاد فصرعه ، ثم عاد فصرعه ، فأسلم ، ورد عليه الغنم . (۲)

کشتی لڑنے کے سلسلہ میں فقہاء شوافع کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، بعض کے نزدیک یہ بالعوض جائز ہے؛ کیوں کہ حضور اقدس ﷺ نے یزید کے ساتھ ایک بکری کی شرط پر کشتی کی تھی تو آپ ﷺ نے یزید کو پچھاڑ دیا تھا، پھر دوبارہ، پھر سہ بارہ بھی

---

(۱) سنن أبى داؤد ، كتاب اللباس ، باب في العمائم ،حدیث نمبر:۴۰۸۰، ،سنن الترمذي ، كتاب اللباس ، باب العمائم على القلانس ، حدیث نمبر:۱۸۹۶،نيل الأطار:۱۰۴/۸

(۲) المجموع:۱۳۷/۱۵،روضة الطالبين:۳۵۱/۱۰،نهاية المحتاج:۱۶۶/۸

آپ ﷺ نے اسے پچھاڑ دیا تھا، جب یزید نے اسلام قبول کرلیا تو آپ ﷺ نے اس کو بکری لوٹادی تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ اور یزید بن رکانہ کے درمیان کشتی میں ایک بکری کی شرط رکھی گئی تھی، اسی بناء پر بعض شوافع نے کشتی کو بالعوض جائز قرار دیا ہے، جب کہ بعض حضرات شوافع کے یہاں کشتی بالعوض جائز نہیں ہے، چنانچہ علامہ نوویؒ لکھتے ہیں :

ومنهم من قال : لا يجوز . (۱)

بعض کے نزدیک ہار جیت پر انعام یا معاوضہ کی شرط کے ساتھ کشتی جائز نہیں ہے۔

یہی مسلک قریب قریب مالکیہ حضرات کا بھی ہے، چنانچہ مالکیہ کے یہاں کشتی دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے، اگر ان دو شرائط میں سے کوئی ایک مفقود ہو جائے تو ناجائز ہوگی، پہلی شرط یہ ہے کہ اس کو محض کھیل تماشہ کی حیثیت سے نہ کھیلا جائے؛ بلکہ دینی فائدہ کے لئے کھیلا جائے، دوسری شرط یہ ہے کہ اس میں ہار جیت پر معاوضہ یا انعام کی شرط نہ لگائی جائے، اگر کشتی محض کھیل تماشہ کی حیثیت سے کی گئی ہو، یا ہار جیت پر معاوضہ یا انعام کی شرط لگائی گئی ہو تو بعض مالکیہ کے نزدیک حرام ہے؛ جب کہ بعض کے نزدیک مکروہ ہے؛ چنانچہ علامہ دسوقیؒ (المتوفی:۱۲۳۰ھ) لکھتے ہیں :

والحاصل أن المسابقة بغير الأمور المتقدمة جائزة بشرطين : أن يكون مجانا ، وأن يقصد بها الانتفاع في نكاية العدو (قوله : إلا منع) أى حرم و قيل : أنه يكره . (۲)

حاصل یہ ہے کہ مذکورہ اُمور (محض کھیل تماشہ یا صرف تفریح)

---

(۱) المجموع:۱۳۷/۱۵، روضة الطالبين:۳۵۱/۱۰، نهاية المحتاج:۱۶۶/۸

(۲) حاشية الدسوقى مع الشرح الكبير للدردير:۵۳۵/۲

کے بغیر کھیلا جائے تو دوشرطوں کے ساتھ جائز ہے، ہار جیت پر معاوضہ کی شرط نہ ہو اور میدان جنگ میں فائدہ حاصل کرنے کی نیت سے کھیلا گیا ہو، اگر یہ دونوں شرطیں مفقود ہوں تو یہ کھیل ممنوع وحرام اور بعض کے یہاں مکروہ ہے۔

معلوم ہوا کہ مالکیہ کے نزدیک بھی معاوضہ وانعام کی شرط کے ساتھ کشتی لڑنا جائز نہیں۔

احناف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جنگ میں قوت حاصل کرنے کی نیت سے کھیلا جائے تو باعث ثواب ہے اور ''لہو ولعب'' یعنی محض کھیل تماشہ کی نیت یا بطور تفریح یا شہرت کے لئے کھیلا جائے تو مکروہ ہے، چنانچہ فتاویٰ ہندیہ (فتاویٰ عالمگیری) میں ہے :

إن أراد بها التلهي يكره له ذلك ويمنع عنه ، وإن أراد تحصيل القوة ليقرر على المقاتلة مع الكفرة فإنه يجوز ويثاب عليه . (۱)

لہو ولعب کے مقصد سے کشتی لڑنا مکروہ ہے اور اس سے روکا جائے گا؛ البتہ کافروں سے مقابلہ میں قوت حاصل کرنے کے مقصد سے کھیلنا جائز ہے اور اس پر ثواب بھی ملے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ احناف کے یہاں بھی خاص مقصد کے تحت کشتی لڑنا جائز ہے؛ لیکن ان کے نزدیک بھی کشتی بالعوض جائز نہیں ہے۔

اسی طرح حضرات حنابلہ کے نزدیک بھی کشتی بالشرط جائز نہیں ہے۔(۲)

فقہاء کے ان اقوال سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جمہور فقہاء کے نزدیک کشتی چند شرائط کے ساتھ جائز ہے؛ البتہ ہار جیت پر معاوضہ کی شرط رکھنا اور جیت پر معاوضہ لینا

(۱) فتاوىٰ هندية:۳۵۲/۵، رد المحتار:۵۷۹/۹

(۲) كتاب المسابقات:۱۶۵، بحوالہ:المغنی

ناجائز وحرام ہے اور بعض شوافع کے یہاں بالعوض بھی جائز ہے، یعنی: فقہاء کے درمیان صرف معاوضہ کی شرط کے ساتھ کھیلنے میں اختلاف ہے :

ومحل الخلاف فيما لو كان على عوض وإلا جاز قطعاً . (۱)

فقہاء کا اختلاف صرف بالعوض کھیلنے میں ہے اور اگر بلاعوض کھیلا جائے تو یہ مکمل طور پر جائز ہے۔

جمہور فقہاء (مانعین) کی طرف سے مجوزین کے استدلال کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ یزید بن رکانہ کو حضور اقدس ﷺ نے اسلام میں داخل کرانے کے مقصد سے اس طرح کی شرط لگائی تھی، پھر جب وہ اسلام میں داخل ہو گئے تو حضور اقدس ﷺ نے اس شرط کے مطابق دی ہوئی چیز اس کو واپس کر دی؛ چنانچہ ''المجموع'' میں ہے :

وحديث يزيد بن ركانة محمول على أنه فعل ذلك ليسلم ؛ ولأنه لما أسلم رد عليه ما أخذ منه . (۲)

یزید بن رکانہ کی حدیث اسی پر محمول ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اس کو اسلام میں لانے کے لئے بازی لگایا تھا، اسی وجہ سے جب اس نے اسلام قبول کیا تو حضور اقدس ﷺ نے اس سے جو لیا وہ لوٹا دیا تھا۔

ان سب اقوال سے یہ بات واضح ہوگئی کہ شرائط مذکورہ کے مطابق بلاعوض کشتی لڑنا جائز و درست ہے اور اگر ہار جیت پر معاوضہ یا انعام کی شرط لگائی گئی ہو تو وہ ''جوا'' میں داخل ہو کر حرام و ناجائز اور باطل قرار پائے گا۔

---

(۱) نهاية المحتاج:۱۶۶/۸

(۲) المجموع:۱۳۷/۱۵، نهاية المحتاج:۱۶۶۸، ردالمحتار:۵۷۹/۹، نيل الأوطار:۱۰۵/۸

كل لعب فيه قمار فهو محرم أى لعب كان ، وهو من الميسر الذى أمر الله تعالىٰ بإجتنابه . (۱)

ہر وہ کھیل جس میں قمار پایا جاتا ہو وہ حرام ہے، چاہے کسی طرح کا بھی کھیل ہو اور وہ اس میسر (جوا) میں ہے جس سے اجتناب (احتراز) کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

کبوتر بازی و مرغ بازی

موجودہ دور میں منٹوں اور سکنڈوں میں فون یا فیکس یا دیگر ذرائع ابلاغ کے ذریعہ خبر کسی بھی جگہ بآسانی پہنچائی جاسکتی ہے؛ جب کہ اس سے پہلے ایسی سہولت نہیں تھی؛ اسی لئے قدیم زمانے میں خبر رسانی کے لئے کبوتر وغیرہ کا استعمال کیا جاتا تھا اور اس غرض سے کبوتروں کی تربیت اور ٹریننگ دی جاتی تھی، پھر تربیت یافتہ کبوتروں کا آپس میں مقابلہ کرایا جاتا تھا، جسے کبوتر بازی کہا جاتا ہے، اسی ضرورت کے پیش نظر بعض فقہاء نے ''کبوتر بازی'' کو مباح و جائز قرار دیا ہے، بشرطیکہ اس میں قمار کی آمیزش نہ ہو، جب کہ بعض فقہاء نے معاوضہ یا انعام کے ساتھ بھی جائز قرار دیا ہے، جیسا کہ ''المجموع'' میں ہے :

فمنهم من قال : لا تجوز المسابقة عليها بعوض .....

ومنهم من قال : تجوز ؛ لأنه يستعان به على الحرب في حمل الأخبار فجازت المسابقة عليه بعوض كالخيل . (۲)

بعض فقہاء نے کبوتر بازی کو معاوضہ کی شرط کے ساتھ ناجائز قرار دیا ہے.....اور بعض علماء نے معاوضہ کی شرط کے ساتھ بھی جائز کہا ہے؛ کیوں کہ اس سے جنگی معاملات میں خبر رسانی

(۱) المغنی:۱۵۴/۱۴،الشرح الکبیر:۳۵۳/۲۹

(۲) المجموع:۱۳۷/۱۵

وغیرہ کے سلسلے میں مدد ملتی ہے، اس لئے گھوڑ دوڑ کی طرح معاوضہ کے ساتھ مسابقہ بھی جائز ہے۔

لیکن ابوداؤد میں ''کتاب الأدب ، باب في اللعب بالحمام'' کے تحت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی گئی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے کسی شخص کو کبوتر کے پیچھے دوڑتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''شیطان یتبع شیطانه ''(۱) یعنی شیطان، شیطان کے پیچھے دوڑ رہا ہے، اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے کبوتر بازی کو ناپسند فرمایا ہے اور اس سے ''کبوتر بازی'' کی کراہیت معلوم ہوتی ہے؛ چنانچہ علامہ شوکانیؒ نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے :

فیه دلیل علی کراهیة اللعب بالحمام وأنه عن اللهو الذی لم یؤذن فیه ، وقد قال بکراهته جمع من العلماء ، ولا یبعد علی فرض انتهاض الحدیث تحریمه ؛ لأنه تسمیة فاعله شیطاناً یدل علی ذلک . (۲)

یہ حدیث کبوتر بازی کی ممانعت پر دلالت کرتی ہے؛ کیوں کہ وہ ایسا کھیل ہے جس کی اجازت شریعت کی طرف سے نہیں دی گئی ہے اور اس کی ممانعت کے قائل اکثر علماء ہیں اور اگر اس حدیث کی وجہ سے کبوتر بازی کو حرمت پر محمول کرلیا جائے تو بھی کوئی بعید بات نہیں ہے؛ کیوں کہ اس میں کھیلنے والے کو شیطان کہا گیا ہے۔

اس لئے بعض فقہاء نے کبوتر بازی کو بالکل ناجائز قرار دیا ہے، چاہے معاوضہ کی شرط کے ساتھ ہو یا بلا شرط کے اور کھیلنے والے کی شہادت قبول نہیں کی ہے، چنانچہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں :

---

(۱) سنن أبی داؤد:۲/۶۷۵، حدیث نمبر:۴۹۴۰

(۲) نیل الأوطار:۱۰۶۸

والـلاعـب بـالـحمام يطيرها لا شهادة له ، وهذا قول أصحاب الرأى ، وكان شريح لا يجيز شهادة صاحب حمام . (۱)

کبوتر اُڑا کر بازی کرنے والوں کی شہادت قابل قبول نہیں ہے، یہی اصحابِ رائے (احناف) کا قول ہے اور قاضی شریح کبوتر بازی کرنے والے کی شہادت قبول نہیں کرتے تھے۔

موجودہ دور میں کبوتر بازی کے ساتھ ساتھ مرغ بازی، فاختہ بازی، بیل اور دیگر جانوروں کے ذریعہ بھی بازی لگائی جاتی ہے جس کی چند صورتیں ذیل میں بیان کی جاتی ہیں :

عمر اور بکر باری باری اپنا اپنا پالتو کبوتر یا فاختہ اس شرط پر چھوڑ دیتا ہے کہ دونوں کبوتر جنگل سے یا کسی خاص متعین جگہ سے کچھ کبوتر اپنے ساتھ لائے گا اور اس میں جس کا کبوتر زیادہ کبوتر لایا تو وہ بکر سے ایک ہزار روپے لیتا ہے، یا اگر بکر کا کبوتر زیادہ کبوتر لایا تو عمر اس کو ایک ہزار روپے دیتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ بازی لگانے والے دونوں اپنے اپنے کبوتر کو کبوتروں کے درمیان رکھ لیتے ہیں اور اس کے بعد دونوں متعین جگہ سے اپنے اپنے کبوتر کو خاص اشارہ کے ساتھ واپس بلاتے ہیں، جس کا کبوتر پہلے آجائے گا وہ دوسرے شخص سے متعین رقم جو شرط میں لگائی گئی ہے وصول کرے گا، اس میں دو آدمی سے لے کر آٹھ دس آدمی تک بھی شریک ہوا کرتے تھے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کبوتر یا مرغ یا بیل وغیرہ کو ایک دائرہ میں رکھ کر آپس میں لڑاتے ہیں، مثلاً: عمر اور بکر اپنے اپنے کبوتر کو ایک دائرہ میں رکھ کر آپس میں اس شرط کے ساتھ لڑاتے ہیں کہ جس کا کبوتر دائرہ سے نکل بھاگے گا، یا اس میں ہی مرجائے تو وہ دوسرے شخص کو ایک ہزار روپے دے گا۔

(۱) المغنى لابن قدامة:۱۴/۱۵۶

اسی طرح اور بھی بہت سے طریقے ہوتے ہیں اور ان طریقوں میں کبوتر کے علاوہ اور بھی بہت سے پرندوں اور جانوروں کو آپس میں لڑاتے ہیں، مثلاً: مرغا، فاختہ، بھینس، بیل، گائے، دنبہ، کتا وغیرہ کے درمیان بھی یہی معاملہ ہوتا ہے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ آدمی اور بھینس یا آدمی اور بیل یعنی: انسان اور جانور کے درمیان لڑاتے ہیں۔

ان سب کھیلوں کا مقصد عام طور پر قمار ہوا کرتا ہے؛ اس لئے یہ جائز نہیں؛ چنانچہ علامہ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں:

كل لعب فيه قمار فهو حرام أى لعب كان . (۱)

کوئی بھی کھیل جس میں قمار بازی ہو تو وہ حرام ہے، چاہے وہ کسی طرح کا بھی کھیل ہو۔

تیسری صورت یعنی جانور کو جانور سے پرندوں کو پرندوں سے لڑانا اور اسی طرح چوتھی صورت آدمی اور جانور کے درمیان لڑانا قمار کے ساتھ ساتھ وحشیانہ فعل بھی ہے، نیز یہ اس انسان یا جانور پر بے جا ظلم کرنا بھی ہے؛ اس لئے جانوروں کو آپس میں لڑانے کی ممانعت وارد ہوئی ہے؛ چنانچہ امام ابوداؤد نے ''**باب التحريش بين البهائم**'' میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے:

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن التحريش بين البهائم . (۲)

حضور اقدس نے جانوروں کو ایک دوسرے کے خلاف برانگیختہ کرنے (لڑانے) سے منع فرمایا ہے۔

---

(۱) الشرح الكبير:۲۹/۳۵۳، المغنى:۱۴/۱۵۴

(۲) سنن أبى داؤد:۲/۳۴۶، حديث نمبر:۲۵۶۲

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جانوروں کو آپس میں لڑانا ممنوع ہے اور آج کل تو اس کو حرام کمائی کا ذریعہ بھی بنالیا گیا ہے؛ اس لئے یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ''ظلمات بعضها فوق بعض ''(۱) اندھیرا پر اندھیرا، کا مصداق ہوکر، کریلا نیم چڑھا کی منھ بولتی تصویر بن چکا ہے؛ اس لئے کبوتر بازی اور مرغ بازی جائز نہیں، ایسے خرافات سے مسلمانوں کو دور رہنا چاہئے۔

موجودہ زمانہ کے چند مروجہ کھیل

دورِ حاضر میں نوجوانوں اور بچوں کے درمیان نت نئے طریقوں کے بہت سے کھیل مروج ہیں، جن میں نہ تو جسمانی فائدہ ہے اور نہ دینی؛ بلکہ محض وقت برباد ہوتا ہے، ان میں سے کچھ زیادہ مروج کھیلوں کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے :

۱- **پتنگ بازی:** بچے آپس میں پتنگ اُڑا کر ایک دوسرے کی پتنگ کاٹتے ہیں، جو کاٹ دے اس کی جیت سمجھی جاتی ہے، اسی طرح بعض شہروں میں بچے بادام، اخروٹ یا شیشہ کی گولیوں سے کھیلتے ہیں تو بعض مقامات پر کنکوے اڑا کر بازی لگائی جاتی ہے اور بعض جگہوں میں لکڑی کی گوٹیوں سے یا گلی ڈانڈا کھیلا جاتا ہے۔

۲- کیرم بورڈ: ہندوستان کے اکثر شہروں میں بچے اور نوجوان کیرم بورڈ کھیلتے ہیں؛ بلکہ بعض بچے تو اسی کو اپنا مشغلہ بنالیتے ہیں، متمول گھرانوں میں بیلئر کھیلنا، اسنوکر (Snooder) کھیلنا اور گولف بھی تفریح کے سامان ہیں۔

۳- لوڈو: یہ کھیل دو آدمی سے چار آدمی تک کے درمیان کھیلا جاتا ہے، جس میں ہر ایک کی مختلف رنگ کی چار چار بٹن نما گوٹیاں ہوتی ہیں، ایک گوئی کے مختلف پہلوؤں پر ایک سے چھ تک نمبر ہوتے ہیں اور ایک نقشہ ہوتا ہے، جس پر دائرے بنے ہوتے ہیں، گوٹی پر جو نمبر ہوتا ہے اسی نمبر کے مطابق ہر کھیلنے والا اپنی گوٹی آگے بڑھاتا ہے، اسی طرح جس کی گوٹی

(۱) النور:۴۰

آخری سرے تک پہنچ جاتی ہے، وہ جیت جاتا ہے۔

۴- **جان جوسر**: اس کو بعض جگہوں میں ''سانپ سیڑھی'' بھی کہتے ہیں، اس میں ایک سے سو تک کا نقشہ بنا ہوا رہتا ہے، کہیں بیچ بیچ میں سیڑھی ہوتی ہے تو کہیں سانپ کی تصویریں بنی ہوئی ہیں، اس میں بھی گوٹی ہوتی ہے، کھیلاڑی اپنی اپنی گوٹیاں آگے بڑھاتے ہیں، جس کی گوٹی سو نمبر پر پہنچ جاتی ہے اس کی جیت ہوتی ہے۔

۵- **ٹیبل پر نیزہ بازی**: اکثر میلہ وغیرہ میں بورڈ پر ایک سے نو تک کے نمبرات ابھری ہوئی حالت میں رکھے جاتے ہیں، اس میں نیزہ مارنے کی شرط لگائی جاتی ہے، ایک نیزہ مارنے کی قیمت مثلاً دو روپے ہے، بورڈ پر سے نمبروں کو تین گروپ بنا کر رکھتے ہیں، بڑا، چھوٹا، درمیانہ نیزہ مارنے سے پہلے گروپ چن کر بتانا ہوتا ہے، جس گروپ کو متعین کیا اسی پر نیزہ لگا تو جیت ہوتی ہے ورنہ ہار، اسی طرح بعض جگہوں پر ٹیبل پر تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر مختلف چیزیں رکھی ہوئی ہوتی ہیں اور لکڑی یا پلاسٹک کا بنا ہوا گول فریم (جس کا کرایہ ادا کرنا ہوتا ہے) ٹیبل پر سجے ہوئے سامان پر پھینکا جاتا ہے، جس سامان پر وہ لگ جاتا ہے وہ اس کو مل جاتا ہے۔

۶- کھیل کی ایک صورت یہ ہے کہ ایک ٹیبل پر پھولوں یا جانوروں کی بارہ تصویریں رکھی ہوتی ہیں اور ایک ڈبہ میں کنکریاں رکھتے ہیں، جن میں ان کی تصویریں موجود ہوتی ہیں، پھر اس کو ہلا کر جیسا پھول یا جانور نکل آتا ہے، اس پر شرط لگانے والے کو ایک روپیہ کے بدلے میں مقررہ رقم دی جاتی ہے، جو اصل رقم سے چند گنا زیادہ ہوتی ہے — اسی کو بعض علاقے میں چوسر اور بعض علاقوں میں کچھ اور نام دیا جاتا ہے۔

۷- **ویڈیو گیم**: آج کل یہ بہت عام ہے کہ بچے کمپیوٹر یا ٹی وی پر ویڈیو گیم کھیلتے ہیں، یا کمپیوٹر سے تاش کھیلتے ہیں، یا چند لوگ ایک ساتھ بیٹھ کر تاش کھیلتے ہیں۔

یہ تمام کھیل لہو ولعب میں داخل ہیں، اس سے نہ دینی فائدہ حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی دنیوی؛ بلکہ اس میں بے جا وقت برباد ہوتا ہے؛ اس لئے یہ کھیل بھی درست نہیں ہیں؛ چنانچہ

ارشادنبوی ہے :

كل لهو المسلم حرام إلا ثلاثة . (۱)

تین چیزیں (جس کی تفصیل اس باب کے شروع میں آچکی ہے)

کے سوامسلمانوں کے تمام لہوولعب حرام ہیں۔

شریعت نے بعض کھیلوں کی اجازت دی ہے اور بعض سے منع کیا ہے، جس کھیل میں جسمانی ورزش نہ ہو، یعنی کھیلنے سے آدمی تھک نہ جاتا ہو، اس سے عمومی طور پر منع کیا گیا ہے، مذکورہ بالا تمام کھیل بھی اس میں شامل ہیں، اس سلسلہ میں چند اُصول پیش نظر رہنے چاہئیں :

اول : ان کھیلوں میں دینی اور جسمانی کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے اور جو کھیل ان فائدوں سے خالی ہو وہ ناجائز ہے۔

دوم: اس میں وقت اور روپیہ ضائع ہوتا ہے اور وہ اللہ کے ذکر سے غافل کرنے والا ہوتا ہے، علامہ قاسمؒ نے ایسے تمام کھیلوں کو ''قمار ومیسر'' کہا ہے، چنانچہ ابن حیانؒ (المتوفی: ۷۵۴ھ) لکھتے ہیں :

وقال القاسم : كل شئ ألهى عن ذكر الله وعن الصلوٰة فهو ميسر . (۲)

امام قاسمؒ فرماتے ہیں کہ جو چیز ذکر اللہ اور نماز سے روکتی ہے وہ میسر (جوا) ہے۔

سوم: اس کو کھیلنے والے لوگ اکثر تفاخر کے طور پر کھیلتے ہیں، جو بہت سی دفعہ نزاع کا باعث بن جاتے ہیں۔

چہارم: کھیلنے میں اس قدر انہماک ہوجاتا ہے کہ اس سے نکلنا مشکل ہوجاتا ہے؛ حتیٰ

(۱) نصب الراية:۴/۲۷۳

(۲) البحر المحيط:۲/۱۵۷

کہ فرائض وغیرہ بھی چھوڑ بیٹھتا ہے۔

پنجم: اکثر گیمز تصویر اور فوٹو پر مشتمل ہوتے ہیں۔

ششم: اس سے بچوں کا ذہن خراب ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے تعلیم میں خلل واقع ہوتا ہے، پھر بچوں کو پڑھائی اور دوسرے فائدے والے کاموں میں دلچسپی نہیں رہتی؛ بلکہ اس کا دھیان اسی پر مرکوز ہو جاتا ہے، ان وجوہ کی بنا پر یہ کھیل باری تعالیٰ کے ارشاد: ''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ''(۱) کا مصداق ہے کہ بعض لوگ اپنی جہالت سے کھیل تماشے اختیار کرتے ہیں اور اس میں پیسے خرچ کرتے ہیں؛ تاکہ اللہ کی راہ سے لوگوں کو بھٹکا دیں اور دین کی باتوں کو کھیل تماشہ بناتے ہیں، انھیں لوگوں کے لئے اہانت والا عذاب ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ ''لہوالحدیث'' کے متعلق فرماتے ہیں:

والذی علیه الجمهور من الصحابة والتابعین وعامة المفسرین هو ماروي عن الحسن رضي الله عنه أن (لهو الحديث) كل ما شغلک عن عبادة الله عن ذكره من السمر والأضاحيک والخرافات والغناء ونحوها. (۲)

جمہور صحابہ، تابعینؒ اور اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ ''لہوالحدیث'' سے مراد ہر وہ چیز ہے جو اللہ کی عبادت اور اس کی یاد سے ہٹا دے، مثلاً: لہو ولعب، فضول قصہ گوئی، ہنسی مذاق کی باتیں، واہیات مشغلے اور گانا بجانا وغیرہ، یہی بات حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے

---

(۱) لقمان:۲

(۲) أحكام القرآن للمفتي محمد شفيع:۱۸۵/۳،ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامي، كراچی۔

بھی میسر ہے۔

واضح رہے کہ یہ آیت اگر چہ نضر بن حارث — جو مشرکین مکہ میں تھا اور بڑا تاجر تھا — کے متعلق نازل ہوئی ہے، مگر الفاظ چوں کہ عام ہیں؛ اس لئے اس کا حکم بھی عام رہے گا، یعنی: جو بھی کھیل فضول اور وقت و پیسہ ضائع کرنے والے ہوں، وہ سب اس آیت کی وعید میں داخل ہیں، چوں کہ ویڈیو گیم میں یہ ساری قباحتیں موجود ہیں، اس لئے یہ گیم کھیلنا ناجائز ہے اور اس کو ترک کر دینا لازم ہے، اس لئے سرپرستوں کو چاہئے کہ بچے کو ایسے بیہودہ کھیلوں سے روکیں۔

ہفتم: ان سب سے بڑھ کر شدید خرابی یہ ہے عام طور پر اکثر یہ تمام کھیل کھیلنے والے بازی لگا کر ہی کھیلتے ہیں، اس میں کوئی نہ کوئی شرط لگائی جاتی ہے، کم از کم میٹھائی کی شرط ہوتی ہے، یہ شرط لگانا جوا ہے اس سے اور اس طرح شرطیں لگانے سے اس کی شناعت میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے :

فهو ميسر حتى لعب الصبيان بالكعب والجوز . (۱)

(ہر وہ شئ جس میں شرط لگائی گئی ہے) وہ میسر یعنی: قمار ہے، یہاں تک کہ بچوں کا لکڑی کے ٹکڑوں اور اخروٹ وغیرہ سے کھیلنا بھی جوا میں داخل ہے۔

تفسیر قرطبی میں ہے :

فى كل شئ قمار حتى فى لعب الصبيان بالكجة . (۲)

بچوں کا گیند کھیلنا، ہار جیت پر انعام و معاوضہ دینے کی شرط کے ساتھ بھی قمار میں داخل ہے۔

اس لئے مذکورہ بالا تمام کھیلوں سے مسلمانوں کو دور رہنا چاہئے، یہ اور اس طرح کے

(۱) البحر المحيط لأبى حيان:۱۵۷/۲

(۲) الجامع لأحكام القرآن للقرطبى:۲۱۷/۸/۴

کھیلوں کے سلسلہ میں حکم شرعی کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ان میں جوئے کی شرط نہ ہو تب تو یہ کھیل مکروہ تحریمی، یعنی قریب بہ حرام ہے اور اگر جیت ہار پر پیسے کی شرط لگادی گئی کہ ہارنے والا جیتنے والا کو کچھ دے گا تو پھر یہ حرام ہے؛ کیوں کہ جوا جس شکل میں بھی ہو، وہ حرام ہے۔

تعلیمی تاش کھیلنا

''تعلیمی تاش کے پتے'' تاش ہی کی طرح ہوتے ہیں، جس میں حروف تہجی لکھے ہوتے ہیں اور ہر پتے کے نیچے ''ابجد'' کے حساب سے نمبرات لکھے ہوتے ہیں، اسی کو ''تعلیمی تاش'' کہتے ہیں اور یہ تاش اُردو، عربی، انگریزی غرض کہ دنیا کی مختلف زبانوں میں کھیلا جاتا ہے۔

تعلیمی تاش کے کھیل بنیاد الفاظ سازی پر ہے، اس کھیل کا طریقہ یہ کہ کھیلنے والے نمبر وار ایک ایک پتہ نیچے ڈالتے ہیں اور اپنی قابلیت کے مطابق نیچے پڑے ہوئے پتوں سے ملا کر دوحرفی، سہ حرفی، چار حرفی، یا اس سے بھی زیادہ کے معنی دار الفاظ بناتے ہیں، سب سے پہلے تمام پتوں کو اس طرح پھینٹتے ہیں کہ ایک ہی قسم کے دو پتے ایک جگہ نہ رہیں، جب پتے اچھی طرح سے ملا دیئے جاتے ہیں تو ہر کھلاڑی کو چار چار پتے تقسیم کر دیئے جاتے ہیں اور چار پتے نیچے ڈال دیئے جاتے ہیں، جو پتے تقسیم کرتے ہیں وہ سب سے پہلے اپنے ہاتھ کے پتوں میں سے ایک پتہ چن کر نیچے کے حرفوں سے ملا کر کوئی دوحرفی، سہ حرفی یا چار حرفی معنی دار لفظ بناتے ہیں، پھر اس کو بند کر کے اپنے پاس رکھ لیتے ہیں، اسی طرح ہر کھلاڑی اپنی باری آنے پر ہاتھ کا کوئی پتہ ڈال کر بامعنی لفظ بناتا ہے، یہ اس کا جیتا ہوا ہوتا ہے، جس کو وہ بند کر کے اپنے پاس رکھ لیتا ہے، جب ہاتھ کے پتے ختم ہو جاتے ہیں تو پھر چار چار پتے کھلاڑیوں میں تقسیم کر دیئے جاتے ہیں اور کھیل اسی طرح جاری رہتا ہے۔

پھر ابجد کے حساب سے نمبروں کے ذریعہ کھیل میں ہار جیت کا فیصلہ ہوتا ہے، تمام پتوں کے ختم ہونے کے بعد سب کھلاڑی اپنے اپنے پتوں کے نمبر جمع کرتے ہیں، جس کے

نمبر سب سے زیادہ ہوتے ہیں وہی جیتا ہوا سمجھا جاتا ہے۔

اگر اس حد تک یہ کھیل کھیلا جائے تو مضائقہ نہیں کہ اس سے کچھ بامعنی الفاظ مستحضر ہوسکتے ہیں، اگر اس کھیل میں بھی ہار جیت کی شرط لگائی جائے تو یہ بھی جوا میں داخل ہوجائے گا، اس وجہ سے یہ بھی حرام وناجائز ہوجائے گا۔(۱)

شطرنج کھیلنا(Chess Player)

شطرنج کھیلنا زمانۂ نبوت سے پہلے بھی رائج تھا، پہلے کے بادشاہوں کا طریقہ بھی ہوتا تھا کہ وہ آپسی جنگ وجدال کے بجائے کسی معاملہ کو شطرنج کے ذریعہ حل کیا کرتے تھے، دو بادشاہ بیٹھ کر شطرنج کھیلتے جو جیت جاتا مملکت اس کے سپرد کردی جاتی، جب کہ بعض بادشاہ اپنی فوجوں کو شطرنج کے مہرے کے مطابق ترتیب دیتے اور میدان میں فوجیوں کے پینترے بدلنے کا طریقہ بھی شطرنج ہی کے ذریعہ بناتے، آج کل شطرنج بین الاقوامی کھیل ہے اور اس کا عالمی پیمانہ پر مقابلہ ہوتا ہے۔

لفظ ''شطرنج'' فارسی لفظ ہے، انگریزی میں اس کو "Hess Player" (چس پلیئر) کہتے ہیں اور اس کا طریقہ اس طرح ہے کہ ۶۴ نقشہ والی بساط پر ایک طرف سولہ سفید مہرے اور دوسری طرف بھی سولہ کالے مہرے کل ۳۲ مہرے کے ساتھ دو آدمی کھیلتے ہیں اور ہر فریق کے مہرے میں ایک بادشاہ، ایک وزیر، دو ہاتھی، دو گھوڑے اور آٹھ سپاہی ہوتے ہیں۔

شطرنج کے متعلق وعیدیں

اس کھیل کے متعلق ائمہ اربعہ کے مختلف اقوال ہیں؛ لیکن ان اقوال کو بیان کرنے سے پہلے ان احادیث وآثار کو پیش کیا جارہا ہے جن میں شطرنج کے متعلق وعیدیں وارد ہوئی ہیں؛ تاکہ ان کی روشنی میں احکام کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

۱- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے :

یشهد أن لا إله إلا الله ویشهد أنک رسول الله إلا

(۱) دیکھئے: جواہر الفقہ، جلد دوم، احکام قمار۔

رفعه الله درجة في الجنة إلا أصحاب الشاه وهي الشطرنج . (۱)

حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک اعرابی آیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! میں نے گذشتہ رات خواب میں دیکھا کہ جو بندہ کلمۂ شہادت کی گواہی دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں ایک درجہ بلند کر دیتا ہے، مگر اصحاب شاہ کا درجہ بلند نہیں کرتا اور ''اصحاب شاہ'' سے مراد شطرنج کھیلنے والا ہے۔

۲- حضرت عمار بن أبی عمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :

أن علياً رضي الله عنه مر بقوم يلعبون بالشطرنج فوثب عليهم ، فقال : أما والله لغير هذا خلقتم ! ولو لا أن تكون سنة لضربت وجوهكم . (۲)

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شطرنج کھیلنے والے ایک گروہ کے قریب سے گزر رہے تھے، آپ نے ان کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا: خبر دار! اللہ تعالیٰ نے تم کو اس کے سوا دوسرے کاموں کے لئے پیدا فرمایا ہے، (یعنی تم کو شطرنج کھیلنے کے لئے پیدا نہیں کیا؛ بلکہ عبادت کے لئے پیدا کیا) اگر (حضور اقدس ﷺ کی) سنت (حدیث) موجود نہ ہوتی تو میں اسی سے (شطرنج کے مہرے اور بساط سے) تمہارے چہروں پر مارتا۔

---

(۱) مجمع البحرين: ۱۸۵/۳، حدیث نمبر: ۳۱۶۲، مجمع الزوائد: ۲۱۰/۸، حدیث نمبر: ۱۳۲۶۲

(۲) كنز العمال: ۱۶۵/۱۹

۳- ایک اور روایت میں ہے :

عن علی رضی الله عنه قال : النرد والشطرنج من الميسر . (۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نرد اور شطرنج میسر (جوا) میں سے ہے۔

۴- حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع روایت میں ہے :

ملعون ، لعب بالشطرنج . (۲)

شطرنج کھیلنے والا ملعون ہے۔

۵- علامہ شوکانیؒ نے دیلمی کے حوالہ سے ایک مرفوع روایت نقل کیا ہے :

ملعون من لعب بالشطرنج ، والناظر إليهم كآكل لحم الخنزير . (۳)

شطرنج کھیلنے والا ملعون ہے اور اس کی طرف دیکھنے والا ایسا ہی ہے جیسا کہ خنزیر کا گوشت کھانے والا۔

۶- دیلمیؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث اس طرح روایت کی ہے :

يأتي على الناس زمان يلعبون بها ، ولا يلعب بها إلا كل جبار والجبار في النار . (۴)

ایک زمانہ آئے گا جس میں لوگ شطرنج کھیلیں گے اور وہ لوگ جبار ہوں گے اور جبار لوگ جہنم میں داخل ہوں گے۔

---

(۱) كنز العمال:۱۶۲/۱۹، حدیث نمبر:۸۷۰

(۲) نيل الأوطار:۱۰۸/۸

(۳) نيل الأوطار:۱۰۸/۸

(۴) نيل الأوطار:۱۰۸/۸

۷- حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

لا یلعب بالشطرنج إلا خاطئ . (۱)

گمراہ لوگوں کے سوا کوئی بھی شطرنج نہیں کھیلتا ہے۔

۸- دیلمیؒ نے حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے :

إن لله فی کل یوم ثلث مائة نظرة ولا ینظر فیها إلی صاحب الشاه . (۲)

اللہ تعالیٰ روزانہ اپنے بندوں پر تین سو مرتبہ نظر رحمت فرماتے ہیں، مگر شطرنج کھیلنے والوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوتا ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی متعدد احادیث و آثار ہیں جن میں شطرنج کھیلنے والوں کے بارے میں سخت وعید اور ممانعت وارد ہوئی ہے۔

شطرنج کے متعلق ائمہ کے اقوال

شطرنج کے سلسلے میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں :

شافعیہ کی رائے

شافعیہ کے یہاں دو اقوال ہیں: مکروہ ہونے کا اور مباح ہونے کا؛ البتہ شافعیہ میں سے علامہ حلیمیؒ کا قول حرام ہونے کا ہے؛ چنانچہ علامہ نوویؒ نے ''المجموع'' میں لکھا ہے :

ویکره اللعب بالشطرنج ؛ لأنه لا ینتفع به فی أمر الدین ولا حاجة تدعوا إلیه ؛ فکان ترکه أولی ولا یحرم . (۳)

---

(۱) الجامع لأحکام القرآن:۲۱۶/۴

(۲) وفی لفظ ''یرحم به عباده لیس لأهل الشاه فیها نصیب ، یعنی : الشطرنج ''نیل الأوطار:۱۰۸/۸

(۳) المجموع شرح المهذب:۲۲۸/۲۰،شرح النووی علی مسلم:۲۴۰/۲،نیز دیکھئے:نهایة المحتاج: ۲۹۵/۸،زاد المحتاج:۵۷۷/۴،مغنی المحتاج:۴۲۸/۴

شطرنج کھیلنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ وہ ایسا کھیل ہے جس سے دینی اُمور میں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا؛ لیکن یہ مکروہ حرام کے درجہ کو نہیں پہنچتا؛ البتہ اس کو ترک کردینا افضل ہے۔

اسی طرح علامہ ابن قدامہؒ وغیرہ نے شوافع کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا ہے :

وذهب الشافعي إلى إباحته وحكى ذلك أصحابه عن أبي هريرة رضي الله عنه ..... . (۱)

امام شافعیؒ نے شطرنج کھیلنے کو مباح قرار دیا ہے، یہ بات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔

ان تینوں اقوال کو علامہ نوویؒ (۶۳۱-۶۷۶ھ) نے ''روضۃ الطالبین'' میں بیان کرنے کے بعد کراہت والے قول کو راجح قرار دیا ہے :

اللعب بالشطرنج مكروه ، وقيل : مباح لا كراهة فيه ومال الحليمي إلى تحريمه ، واختاره الرؤياني ، والصحيح الأول . (۲)

شطرنج کھیلنا مکروہ ہے اور بعض علماء کی رائے ہے کہ مباح ہے نہ کہ مکروہ اور حلیمیؒ اس کے حرام ہونے کے قائل ہیں اور اسی کو رویانیؒ نے بھی اختیار کیا ہے؛ مگر پہلا قول (یعنی مکروہ) ہی صحیح ہے۔

ان عبارتوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ شوافع کے نزدیک شطرنج کھیلنا کراہت سے خالی نہیں۔

مالکیہ کا خیال

مالکی حضرات کے نزدیک بھی تین اقوال ہیں: ایک قول: حرام ہونے کا، دوسرا قول:

---

(۱) المغنی:۱۵۵/۱۴، الشرح الکبیر لابن قدامة:۳۵۵/۲۹، بدائع الصنائع:۳۰۵/۴

(۲) روضة الطابین:۲۲۵/۱۱

مکروہ ہونے کا اور تیسرا قول: خاص شرائط کے ساتھ جائز ومباح ہونے کا ہے؛ چنانچہ علامہ صاوی مالکیؒ ''حاشیۃ الصاوی'' میں لکھتے ہیں :

والمذهب أن لعبه حرام ، وقيل : مكروه ، وفي (ح) قول بجواز لعبه في الخلوة مع نظيره لا مع الأوباش . (۱)

مالکی مذہب میں شطرنج کھیلنا حرام ہے اور بعض علماء نے مکروہ کہا ہے؛ جب کہ ایک قول میں اپنے گھر ہی میں پوشیدہ طور پر اچھے لوگوں کے ساتھ اگر کھیلا جائے نہ کہ اوباش لوگوں کے ساتھ تو جائز ہے۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مالکیہ کے نزدیک صحیح تر قول کے مطابق شطرنج کھیلنا حرام ہے اور بقیہ دونوں اقوال کو ''قیل ، وفی قول '' کے الفاظ سے ذکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ فقہاء کے یہاں یہ تعبیر کسی ضعیف و نامعتبر قول کو نقل کرنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔

حنابلہ کا نقطۂ نظر

حضرات حنابلہ کے نزدیک شطرنج کھیلنا قطعی حرام ہے، چنانچہ علامہ علی بن سلیمان مرداویؒ (۸۱۷-۸۸۵ھ) لکھتے ہیں :

اللعب بالشطرنج حرام ، على الصحيح من المذهب ونص عليه . (۲)

---

(۱) حاشية الصاوي مع شرح الصغير :۲۴۱/۴، نیز دیکھئے: حاشية الدسوقي مع شرح الكبير للدردير :۶۴/۶، المدنة الكبرىٰ :۳۰۵/۴، المغنى :۱۵۵/۱۴، الشرح الكبير لإبن قدامة :۳۵۵/۲۹، شرح النووى على مسلم :۲۴۰/۲

(۲) الإنصاف :۳۵۸/۲۹، الشرح الكبير : لابن قدامة :۳۵۶/۲۹، المغنى :۱۵۶/۱۴، شرح النووى على مسلم :۲۴۰/۲

صحیح قول کے مطابق شطرنج کھیلنا حرام ہے اور (امام احمد بن حنبلؒ نے) اس کی صراحت کی ہے۔

احناف کا موقف

حنفیہ کے نزدیک بھی مجموعی طور پر تین اقوال ملتے ہیں، ایک قول مکروہ تحریمی ہونے کا دوسرا قول امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت کے مطابق اباحت کا اور تیسرا قول حرمت کا؛ چنانچہ علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں :

وكره تحريماً ..... والشطرنج ..... وأباحه الشافعي وأبو يوسف في رواية . (۱)

شطرنج کھیلنا مکروہ تحریمی ہے اور امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت کے مطابق مباح ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے :

وأما الشطرنج فاللعب به حرام عندنا . (۲)

شطرنج کھیلنا ہمارے نزدیک حرام بہ معنی مکروہ تحریمی ہے۔

ائمہ کے اقوال پر ایک نظر

مذکورہ تفصیلات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ شطرنج کے سلسلے میں فقہاء کے کل چار اقوال ہیں: مباح، مکروہ تنزیہی، مکروہ تحریمی اور حرام۔

مگر جن فقہاء نے اسے مباح، یا کراہت کے ساتھ جائز کہا ہے، وہ اس وقت ہے جب کہ اس میں جوا نہ ہو اور اس کی وجہ سے فرائض و واجبات میں کسی طرح کی کوتاہی نہ ہو، ورنہ وہ بالاجماع حرام و ناجائز ہوگا؛ چنانچہ علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں :

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار: ۵۶۶/۹، باب الحظر والإباحة۔

(۲) فتاوىٰ هندية: ۳۵۲/۵

وهـذا إذا لـم يـقـامر ولم يداوم ولم يخل بواجب وإلا فحرام بالإجماع . (۱)

اور یہ (یعنی مکروہ تحریمی ہونا) اس صورت میں ہے، جب کہ کھیل میں قمار بازی، اس پر مداومت اور واجبات کی ادائیگی میں رکاوٹ پیدا نہ ہو، ورنہ بالا جماع حرام ہے۔

اسی طرح علامہ نوویؒ نے بھی ''روضۃ الطالبین'' میں لکھا ہے :

فإن اقترن به قمار أو فحش أو إخراج صلٰوة عن وقتها عـمـداً ردت شهـادتـه بـذلـك المقامر ، وإنما يكون قماراً إذا شرط المال من الجانبين . (۲)

اگر اس کھیل میں قمار بازی یا فحش کلامی یا نماز کا وقت نکل جاتا ہو تو کھیلنے والے کی گواہی نامقبول ہوگی اور اگر دو طرفہ مال کے لین دین کی شرط لگائی گئی ہو تو وہ قمار میں داخل ہے۔

فقہاء کے ان اقوال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان تین شرائط میں سے کوئی ایک بھی مفقود ہو تو شطرنج کھیلنا بالاتفاق ناجائز ہے، نیز شوافع کے نزدیک اگر یک طرفہ شرط — یعنی: اگر تم جیت جاؤ گے تو تم کو ایک ہزار روپے دوں گا اور اگر میں جیت گیا تو تم سے کچھ نہیں لوں گا — ہو تو اس صورت میں جوا تو نہیں ہے؛ لیکن اس کے باوجود بھی کھیل حرام ہے؛ چنانچہ ''زاد المحتاج شرح المنهاج'' میں ہے :

فإن شرط من جانب أحد اللاعبين فليس بقمار ، وهو مع ذلك حرام أيضاً . (۳)

---

(۱) الدر المختار:۵۶۶/۹،فقه السنة:۵۱۴/۳

(۲) روضة الطالبين:۲۲۵/۱۱،زاد المحتاج:۵۷۸/۴،مغنى المحتاج:۴۲۸/۴

(۳) مغنى المحتاج على المنهاج:۴۲۸/۴

اگر ایک طرفہ شرط لگائی گئی تو جوا تو نہیں ہوتا؛ مگر اس کے باوجود (شطرنج کھیلنا) حرام ہے۔

اسی طرح صاحبِ ملتقی الأبحر (۱)، صاحبِ مجمع الأنہر (۲)، علامہ ابن نجیم مصریؒ (۳)، صاحبِ ہدایہؒ (۴)، فتاویٰ ہندیہ (۵)، علامہ کاسانیؒ (۶)، صاحبِ فتاویٰ تاتار خانیہؒ (۷)، صاحبِ فقہ السنہ (۸)، صاحبِ حاشیۃ الصاویؒ (۹)، علامہ شامیؒ (۱۰) وغیرہ نے شطرنج کو حرام قرار دیا ہے۔

علامہ شامیؒ نے کافی کے حوالہ سے شطرنج کو حرام اور اس کو مباح قرار دینے والوں کو شیطان کا ممد و مددگار قرار دیا ہے، جیسا کہ ''ردالمحتار'' میں ہے :

فهو حرام وكبيرة عندنا ، وفي إباحته إعانة الشيطان على الإسلام والمسلمين ، كما في الكافي ، قهستاني . (۱۱)

ہمارے نزدیک شطرنج کھیلنا حرام اور سخت گناہ کبیرہ ہے اور اس کو مباح قرار دینا گویا اسلام اور مسلمان کے خلاف شیطان کی اعانت و مدد کرنا ہے۔

---

(۱) ملتقى الأبحر:۵۵۳/۲

(۲) مجمع الأنهر:۵۵۳/۲

(۳) البحر الرائق:۳۸۰/۸

(۴) هداية على هامش فتح القدير:۴۹۸/۸

(۵) فتاوىٰ هندية:۳۵۲/۵

(۶) بدائع الصنائع:۳۰۵/۴

(۷) فتاوى تاتار خانية:۵۲۱/۳

(۸) فقه السنة:۵۱۴/۳

(۹) حاشية الصاوى على الشرح الصغير للدردير:۲۴۱/۴

(۱۰) ردالمحتار :۵۶۵/۹،باب الحظر والإباحة ، فصل فى البيع.

(۱۱) ردالمحتار:۵۶۵/۹،باب الحظر والإباحة ، فصل فى البيع.

بعض حضرات شطرنج کھیلنے کو جنگ کے اندر فریب دہی میں معاون سمجھتے ہیں اور اسے جائز قرار دیتے ہیں؛ لیکن ان کے یہاں بھی ماقبل میں ذکر کردہ تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔(۱)

دوسری طرف دیکھا جائے تو احادیث وآثار میں شطرنج کھیلنے والوں کے لئے سخت وعیدیں ہیں، جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے، امام قرطبیؒ نے ''الجامع لأحکام القرآن'' میں شطرنج سے متعلق چند روایات بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے :

وهذه الآثار كلها تدل على تحريم اللعب بها بلا قمار .(۲)

یہ تمام آثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ شطرنج کھیلنا بلا قمار (یعنی: شرط لگائے بغیر بھی) حرام ہے۔

اسی طرح ابن عربیؒ (۴۶۸-۵۴۳ھ) نے بھی ''احکام القرآن'' میں لکھا ہے :

شطرنج کھیلنے سے منع کرنا چاہئے ؛ کیوں کہ یہ کھیل اللہ کے ذکر اور نماز سے روکنے والا ہے۔(۳)

اور جب امام زہریؒ سے شطرنج کے متعلق پوچھا گیا تو آپؒ نے فرمایا کہ یہ باطل ہے اور اس کو میں پسند نہیں کرتا، اس طرح امام مالکؒ نے بھی شطرنج کو باطل، بے فائدہ اور بے اصل قرار دیا ہے، (۴) اسی طرح متعدد صحابہ کرام ﷺ اور تابعینؒ وتبع تابعینؒ نے بھی اس کو حرام قرار دیا ہے، ان میں سے بعض مشہور حضرات کو ابن قدامہؒ نے بیان کیا ہے جو درج ذیل ہیں :

---

(۱) فتاوی عبدالحی بحوالۂ مجمع البرکات:۴۸۶

(۲) الجامع لأحکام القرآن:۲۱۷/۸/۴

(۳) أحکام القرآن لابن عربی:۱۰۵۳/۴

(۴) الجامع لأحکام القرآن:۲۱۵/۸/۴

حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت سعید
بن المسیب ﷺ، علامہ قاسم، سالم، عروہ، محمد بن علی بن حسین،
مطر الوراق، امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد رحمہم اللہ۔(۱)

آج کل شطرنج کھیلنے والوں کو دیکھا جائے تو اکثر و بیشتر ان کے اندر تینوں شرطیں مفقود ہوتی ہیں، نیز شطرنج کھیلنے والے اس کے بہت جلد عادی ہو جاتے ہیں اور اس کھیل کا ایسا چسکا لگ جاتا ہے کہ اس کا پیچھا چھوڑنا مشکل؛ بلکہ مشکل ترین ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے نہ فرائض کا اہتمام کرتا ہے اور نہ ہی واجبات کی پروا کرتا ہے۔

نرد شیر کھیلنا

عربی زبان میں ''نرد شیر'' کے لئے مختلف الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، مثلاً: نرد، نرد شیر، کعب، طاولہ وغیرہ ہے، نرد شیر چوسر سے ملتا جلتا ایک کھیل ہے، جو دو ہری بساط (بورڈ) پر کھیلا جاتا ہے، ایک ڈبے میں کنکریاں یا پلاسٹک کی گوٹیاں ہوتی ہیں اور دو پِنگ ہوتے ہیں، جس کو ہلا کر نیچے ڈالتے ہیں، جیسا نگ نکل آتا ہے اسی کے مطابق کنکریاں یا گوٹیاں آگے بڑھائی جاتی ہیں۔(۲)

آج کل یہ کھیل اس طرح کھیلا جاتا ہے کہ ایک ٹیبل پر چھ جانوروں کی تصویریں ہوتی ہیں اور لکڑی کی تین گوٹیاں ہوتی ہیں اور ہر گوٹی کے چھ اطراف میں ٹیبل والی چھ تصویریں ہوتی ہیں، ان سب کو کسی ڈبے میں رکھ کر ہلاتے ہیں اور ان تصویروں پر شرط والی رقم یا اشیاء رکھتے ہیں، اسی پر ہار جیت کا فیصلہ ہوتا ہے۔

نرد کھیلنے والوں کے متعلق وعیدیں

احادیث و آثار میں نرد کھیلنے والوں کے متعلق بہت سی وعیدیں آئیں ہیں، ان میں

(۱) المغنی:۱۵۵/۱۴، الشرح الکبیر لابن قدامة:۳۵۵/۲۹، شرح النووی:۲۴۰/۲

(۲) لسان العرب:۱۰۳/۱۴، القاموس المحیط:۳۵۲/۴، القاموس الوحید:۱۶۳۰/۲

سے چند احادیث وآثار درج کی جاتی ہیں :

۱- صحیح مسلم میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :

إن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال : من لعب بالنرد شیر فکأنماصبغ یده فی لحم خنزیر ودمه . (۱)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص نرد شیر کھیلتا ہے، گویا اس نے اپنے ہاتھ کو سور کے گوشت اور خون میں رنگ لیا۔

۲- مسند احمد میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ایک روایت منقول ہے :

من لعب بالنرد فقد عصی اللہ ورسوله . (۲)

جس نے نرد کھیلا اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

۳- بعض روایات میں ''نرد'' کی جگہ ''کعب'' (نرد کی گوٹی) کا لفظ بھی آیا ہے؛ چنانچہ مسند احمد میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت منقول ہے :

إن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال : من لعب بالکعاب فقد عصی اللہ ورسوله . (۳)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص نے نرد کی گوٹی کھیلی، اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

---

(۱) صحیح مسلم ، کتاب الشعر ، باب تحریم اللعب بالنرد شیر ،حدیث نمبر:۶۰۳۳،سنن أبي داؤد ، کتاب الأدب ، باب في النهي عن اللعب بالنرد ، حدیث نمبر:۴۹۴۱،سنن ابن ماجة ، کتاب الأدب ، باب اللعب بالنرد ،حدیث نمبر:۳۸۹۵،مسند أحمد،حدیث نمبر:۲۲۹۷۳،۲۳۰۱۹،۲۳۰۵۰

(۲) سنن أبي داؤد ، کتاب الأدب ، باب في النهي عن اللعب بالنرد شیر ،حدیث نمبر:۴۹۴۰، سنن ابن ماجة ، کتاب الأدب ، باب اللعب بالنرد ،حدیث نمبر:۳۸۹۴،مسند أحمد:۵۳۶/۴، حدیث نمبر:۱۹۴۹۷،نیل الأوطار:۱۰۶/۸

(۳) مسند أحمد،حدیث نمبر:۱۹۴۹۷،۱۹۴۶۸،۱۹۴۶۷،۱۹۵۲۶،نیل الأوطار:۱۰۶/۸

۴- حضرت عبدالرحمٰن بن ابوسعید فرماتے ہیں کہ میرے والد نے کہا کہ حضور اقدس ﷺ فرماتے تھے :

مثل الذی یلعب بالنرد ثم یقوم فیصلی مثل الذی یتوضأ بالقیح ودم الخنزیر ثم یقوم فیصلی . (۱)

جوشخص نرد کھیلنے کے بعد نماز پڑھتا ہے اس نے گویا پیپ اور خون سے وضو کر کے نماز ادا کی۔

۵- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

اللاعب بالنرد کواضع یده فی لحم الخنزیر ، والنظار إلیها کواضع یده فی دم الخنزیر . (۲)

نرد کھیلنے والا ایسا ہے جیسا کہ سور کے گوشت پر ہاتھ رکھنے والا اور اس کھیل کی طرف دیکھنے والا ایسا ہے جیسا کہ سور کے خون میں ہاتھ ڈبونے والا۔

اور بھی متعدد احادیث و آثار ہیں جن میں نرد کھیلنے والوں کے بارے میں سخت وعیدیں ذکر کی گئی ہیں۔

نرد کے متعلق ائمہ کے اقوال

نرد کھیلنے سے متعلق فقہاء کے دو اقوال ملتے ہیں، ایک مکروہ ہونے کا اور دوسرا حرام ہونے کا؛ چنانچہ ابواسحاق مروزی شافعیؒ وغیرہ نے اسے مکروہ قرار دیا ہے، (۳) اسی طرح

(۱) مسند أحمد ،حدیث نمبر:۲۳۱۸۷، مجمع الزوائد:۲۱۰/۸،باب ماجاء فی القمار ،حدیث نمبر: ۱۳۲۶۱،نیل الأوطار:۱۰۷/۸

(۲) المعجم الأوسط للطبراني ، حدیث نمبر:۹۱۸۰، مجمع الزوائد، کتاب الأدب ، باب ماجاء في القمار:۲۱۰/۸،حدیث نمبر:۱۳۲۶۲

(۳) شرح النووی علی المسلم:۲۴۰/۲،المجموع:۲۲۸/۲۰

احناف میں سے علامہ حصکفیؒ نے بھی نرد کھیلنے کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے، بشرطیکہ تین شرائط پائی جائیں، ایک یہ کہ جوا سے خالی ہو، دوسری یہ کہ ہر وقت مشغول نہ ہو اور تیسری یہ کہ اس کی وجہ سے فرائض وواجبات میں خلل نہ ہو، اگر ان تینوں شرائط میں سے کوئی ایک بھی مفقود ہو تو یہ بالاجماع حرام ہے؛ چنانچہ ''الدر المختار شرح تنویر الابصار'' میں ہے :

وكره تحريماً اللعب بالنرد ..... وهذا إذا لم يقامر ولم يداوم ولم يخل بواجب وإلا فحرام بالإجماع . (۱)

''نرد کھیلنا مکروہ تحریمی ہے'' اور یہ (یعنی: مکروہ تحریمی ہونا) اس صورت میں ہے جب کہ کھیل میں جوا، اس پر مداومت اور واجبات کی ادائیگی میں رکاوٹ پیدا نہ ہو، ورنہ بالاجماع حرام ہے۔

نرد کتبِ احناف میں

''درمختار'' کے سوا احناف کی دوسری کتب فقہ میں نرد کھیلنے کو حرام و ناجائز قرار دیا گیا ہے؛ چنانچہ ''ملتقی الأبحر'' میں ہے ''**وتحرم اللعب بالنرد**'' (۲) نرد کھیلنا حرام ہے، اسی طرح صاحب ہدایہ (۳) اور علامہ ابن نجیم مصریؒ نے بھی اس کو ناجائز قرار دیا ہے ؛ چنانچہ ''البحر الرائق شرح کنز الدقائق'' میں ہے، ''**واللعب بالشطرنج والنرد وكل لهو، يعني لا يجوز**'' (۴) شطرنج، نرد اور ہر لہو کھیل جائز نہیں ہے، علامہ کاسانیؒ نے بھی ''**بدائع الصنائع**'' میں اسے حرام ہی لکھا ہے: ''..... **لأنه قمار أو لعب وكل ذلك حرام**'' (۵)

(۱) الدر المختار على هامش رد المحتار: ۵۶۶/۹

(۲) ملتقى الأبحر و مجمع الأنهر: ۵۵۳/۲

(۳) هداية على هامش فتح القدير: ۴۹۸/۸

(۴) البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۳۸۰/۸

(۵) بدائع الصنائع: ۳۰۵/۴

کیوں کہ یہ (شطرنج اور نرد) قمار ہے اور لہو ولعب اور یہ سب حرام ہے اور اس سے بالا جماع عدالت ساقط ہو جاتی ہے، چنانچہ ''ردالمحتار'' میں ہے: ''وهو حرام مسقط العدالة بالإجماع''(۱) اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے :

ویکره اللعب بالشطرنج والنرد وثلاثة عشر وأربعة عشر وكل لهو ما سوى الشطرنج حرام بالإجماع. (۲)

شطرنج، نرد، ثلاثہ عشر (چوسر کی طرح ایک کھیل) اور چوسر کھیلنا مکروہ ہے، غرضیکہ شطرنج کے علاوہ بقیہ تمام لہو کھیل بالاجماع حرام ہے۔

نرد کتبِ مالکیہ میں

علامہ دردیرؒ نے لکھا ہے :

واللهو كاللعب بالنرد المسمى في مصر بالطاولة، ويحرم كان بعوض أو بدونه؛ لأنه يوقع العداوة ويصد عن ذكر الله وعن الصلوٰة. (۳)

نرد جس کو مصر میں ''طاولہ'' کہتے ہیں، کا کھیلنا حرام ہے، چاہے بالمعاوضہ کھیلا جائے یا بغیر معاوضہ وشرط کے؛ کیوں کہ اس میں عداوت ودشمنی پیدا ہوتی ہے اور یہ ذکر اللہ اور نماز میں رکاوٹ کا سبب بنتا ہے۔

یہی بات انھوں نے ''الشرح الکبیر'' میں بھی لکھی ہے، (۴) ابن عربیؒ نے بھی مالکی

---

(۱) ردالمحتار: ۵۶۵/۹

(۲) فتاویٰ هندية: ۳۵۲/۵

(۳) الشرح الصغير مع حاشية الصاوی: ۲۴۰/۴

(۴) الشرح الكبير مع حاشية الدسوقی: ۶۲/۶

مسلک کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا ہے :

والنرد قمار وغرر لا يعلم مايخرج له فيه كالإستسقام بالأزلام . (۱)

نرد کھیلنا قمار اور غرر دونوں کو شامل ہے ؛ کیوں کہ وہ بھی ''استسقام بالازلام'' کی طرح ہے کہ کیا نکل آئے گا؟ کچھ پتہ نہیں چلتا ہے۔

''ازلام'' کو تو قرآن مجید میں رجس، عمل شیطان اور بت پرستی کے ہم پلہ بیان کیا گیا ہے؛ چنانچہ فرمانِ خداوندی ہے :

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ . (۲)

یہ شراب، جوااور بت اور پانسے، سب گندے کام ہیں شیطان کے۔

امام قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ امام مالکؒ کا کہنا ہے کہ میسر دوطرح کا ہوتا ہے، ایک ''میسر اللہو''، یعنی نرد، شطرنج وغیرہ، دوسرا ''میسر القمار''، یعنی جس کام کے ہونے نہ ہونے دونوں کا احتمال ہو :

وقال مالک : الميسر ، ميسران ، ميسر اللهو فمنه النرد والشطرنج والملاهي كلها ، وميسر القمار : وهو ما يتخاطر الناس عليه . (۳)

امام مالکؒ فرماتے ہیں: میسر دوطرح کے ہوتے ہیں ''میسر اللہو''

---

(۱) أحكام القرآن لابن عربی:۱۰۵۲/۳

(۲) المائدة:۹۰

(۳) الجامع لأحكام القرآن:۳۶/۳/۲،البحر المحيط :۱۵۷/۲، تفسير المنير :۲۸۲/۲،كتاب التعريفات للجرجانی:۱۷۹،مجموعه فتاویٰ ابن تيميه:۲۴۲/۳۲،الموسوعة الفقهية:۴۰۵/۳۹

یعنی چوسر، شطرنج وغیرہ اور دوسرا ہے ''میسر القمار''، یعنی جس کام کے وجود وعدم وجود میں سے کسی کا یقین نہ ہو۔

نرد کتبِ شافعیہ میں

علامہ نوویؒ نے اپنی متعدد کتابوں میں ''نرد'' کھیلنے کو حرام قرار دیا ہے؛ چنانچہ مجموع میں ہے :

ویحرم اللعب بالنرد وترد به الشهادة . (۱)

نرد کھیلنا حرام ہے اور نرد کھیلنے والے کی شہادت قابل قبول نہیں ہوگی۔

یہی بات دوسرے علماء شوافع نے بھی لکھی ہے، (۲) غرض کہ شوافع کے یہاں بھی نرد کھیلنا چاہے بالشرط ہو یا بغیر شرط کے یہ ہر دو صورت حرام ہے۔

نرد کتبِ حنابلہ میں

حنابلہ کے نزدیک بھی ''نرد'' کھیلنا حرام ہے، چنانچہ علامہ علاء الدین مرداویؒ (۸۱۷-۸۸۵ھ) نے ''الانصاف'' میں لکھا ہے :

ویحرم النرد بلا خلاف فی المذهب ونص علیه . (۳)

نرد کھیلنا بالاتفاق حرام ہے اور اس پر نص (امام احمدؒ کی صراحت) ہے۔

---

(۱) المجموع شرح المهذب:۲۲۸/۲۰، نیز دیکھئے:المنهاج علی هامش زاد المحتاج:۵۷۵/۴،شرح النووی علی صحیح مسلم:۲۴۰/۲

(۲) نهایة المحتاج شرح المنهاج:۲۹۵/۸،مغنی المحتاج شرح المنهاج:۴۲۸/۴،زاد المحتاج شرح المنهاج:۵۷۷/۴-۵۷۸

(۳) الإنصاف:۳۵۸/۲۹

علامہ ابن قدامہؒ نے بھی یہی لکھا ہے۔(۱)

ائمہ اربعہ کے ان اقوال سے یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی کہ جمہور کے یہاں ''نرد'' کھیلنا حرام ہے؛ البتہ بعض فقہاء نے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے، مگر یہ بھی قریب قریب حرام ہی ہے، یہی وجہ ہے کہ علامہ حصکفیؒ نے جو ''الدر المختار'' میں ''نرد'' کھیلنے کو مکروہ لکھا ہے، انھوں نے ہی ''الدر المنتقی شرح ملتقی الأبحر'' میں ''نرد'' کھیلنے کو حرام اور کبیرہ گناہ لکھا ہے اور اسی پر اجماع نقل کیا ہے :

ویحرم اللعب ، والعبث واللهو فالثلاثة بمعنى كما نقله القهستاني (بالنرد) ويقال له نرد شير ..... وهو كبيرة بالإجماع . (۲)

''نرد'' اور اس کو ''نرد شیر'' بھی کہتے ہیں، کھیلنا حرام ہے اور بالاجماع کبیرہ گناہ ہے۔

اسی طرح شوافع میں سے علامہ ابواسحاق مروزیؒ نے ''نرد'' کھیلنے کو شطرنج کی طرح کہا ہے، علامہ نوویؒ نے اس قول کی صاف تردید کی ہے :

وقال أبو إسحاق : هو كالشطرنج وهذا خطأ لما روى عن أبي موسى الأشعري رضى الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال : من لعب بالنرد فقد عصى الله ورسوله . (۳)

ابواسحاقؒ نے اس کو (یعنی نرد کھیلنے کو) شطرنج کی طرح (مکروہ) کہا ہے، یہ بالکل غلط ہے؛ کیوں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ

---

(۱) دیکھئے: المغنی: ۱۴/۱۵۴، الشرح الکبیر: ۲۹/۳۵۳

(۲) الدر المنتقی شرح ملتقی الأبحر علی هامش مجمع الأنهر: ۲/۵۵۳

(۳) المجموع شرح المهذب: ۲۰/۲۲۸

نے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ جس نے نرد کھیلا،
اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

اس لئے یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ اکثر فقہاء کے نزدیک نرد کھیلنا حرام ہی ہے؛ اس لئے اس سے دور رہنا چاہئے۔

حرفِ آخر

اس میں شبہ نہیں کہ جوااسلام کی نظر میں بدترین گناہ ہے، یہ معاشرتی بگاڑ کا باعث ہے، اس سے انسان بغیر محنت کے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ پیسے حاصل کرنے کا حریص ہوجاتا ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمارے معاشرہ میں بہت سی ایسی صورتیں مروج ہوگئی ہیں، جو جوا کے دائرہ میں آتی ہیں، بعض حضرات نادانستہ طور پر اس کے مرتکب ہورہے ہیں اور بعض حضرات جانتے بوجھتے، اسی لئے اس حقیر نے جہاں جوا کی حقیقت اور اس کی شناعت پر گفتگو کی ہے، وہیں مروجہ معاملات میں کہاں کہاں جوا کی مروجہ شکلیں ہیں؟ اس پر بھی روشنی ڈالی ہے، اگر یہ رسالہ ایسے بھائیوں کے لئے اصلاح کا ذریعہ بن جائے تو یہی ہمارے لئے ذخیرۂ آخرت ہوگا اور جو کچھ مشقت اس کتاب کی ترتیب میں اُٹھائی گئی ہے، گویا وہ وصول ہوجائے گی۔

۴ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
۲۱ر جولائی ۲۰۰۲ء

محمد عبداللہ سلیمان مظاہری
(متعلم اختصاص فی الفقہ والافتاء)

مراجع ومصادر

قرآنیات

۱- **قرآن کریم۔**

۲- **تفسیر کشاف** : ابوقاسم جاراللہ محمود بن عمر زمخشری خوارزمیؒ (۴۶۷-۵۳۸ھ)، ط: دارالإحیاء التراث العربی، ۱۴۱۷ھ۔

۳- **التفسیر الکبیر أو مفاتیح الغیب** : امام فخرالدین رازیؒ (۵۴۴-۶۰۶ھ)، ط: مکتبۃ الإیمان، مصر، ۱۴۱۲ھ۔

۴- **البحر المحیط** : ابن حیان اندلسیؒ (۶۵۴-۷۵۴ھ)، ط: دارالإحیاء التراث العربی، ۱۴۱۱ھ۔

۵- **النھر الماد من البحر** : ابن حیان اندلسیؒ (۶۵۴-۷۵۴ھ)، ط: علی ہامش بحرالمحیط۔

۶- **تفسیر ابن کثیر**: حافظ عمادالدین أبوالفداء اسماعیل بن کثیر القرشی الدمشقی (۷۷۴ھ)، ط: دارالعالم الکتب، ۱۴۱۸ھ۔

۷- **مختصر تفسیر ابن کثیر**: شیخ محمد علی الصابونی، ط: دارالاحیاء التراث العربی، طبع اول۔

۸- **روح المعانی**: ابوفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی (۱۲۷۰ھ)، ط: مکتبہ زکریا دیوبند، طبع اول ۱۴۲۱ھ۔

۹- **تفسیر طبری** (**جامع البیان عن تأویل القرآن**) : ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر طبری (۲۲۴ھ، ط: مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۱۵ھ۔

۱۰- **تفسیر أبی السعود (ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم)**: قاضی القضاۃ امام ابوسعود محمد بن محمد عمادی (۹۵۱ھ)، ط: دار الاحیاء التراث العربی، طبع ثانی، ۱۴۱۱ھ۔

۱۱- **التفسیر المنیر فی العقیدۃ والشریعۃ والمنھج**: دکتور وہبہ زحیلی، ط: دار الفکر، بیروت/دار الفکر، دمشق، ۱۴۱۸ھ۔

۱۲- **الجامع لأحکام القرآن المعروف بتفسیر القرطبی**: ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع الاول، ۱۴۰۸ھ۔

۱۳- **أحکام القرآن**: امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص (۳۰۵-۳۷۰ھ)، ط: دار الاحیاء التراث العربی، ۱۴۰۵ھ، تحقیق: محمد الصادق قمحاوی۔

۱۴- **أحکام القرآن**: ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن عربی (۴۶۸-۵۴۳ھ)، ط: دار الاحیاء التراث العربی۔

۱۵- **أحکام القرآن**: مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (۱۳۶۴ھ)، ط: ادارۃ القرآن، پاکستان، ۱۴۱۸ھ۔

۱۶- **الدر المنثور فی التفسیر الماثور**: علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن ابوبکر السیوطی (۹۱۱ھ)، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، ۱۴۲۱ھ

۱۷- **معارف القرآن**: مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (۱۳۱۴ھ)، ط: فرید بک ڈپو، دہلی ۱۴۱۸ھ۔

۱۷- **تفہیم القرآن**: مولانا ابوالاعلیٰ مودودی۔

۱۸- **لغات القرآن**: مولانا محمد عبدالرشید نعمانی، ط: دار الاشاعت، کراچی، پاکستان، ۱۹۹۴ء۔

احادیث و شروحات

۱۹- **بخاری شریف**: امام محمد بن اسماعیل بخاری (۱۹۴-۲۵۶ھ)، ط: بنگلہ اسلامی اکیڈمی، ۱۴۱۸ھ۔

۲۰- **مسلم شریف**: امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری نیساپوری (۲۰۹-۲۶۱ھ)، ط: بنگلہ اسلامی اکیڈمی، ۱۴۱۸ھ۔

۲۱- **أبوداؤد شریف**: ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲-۲۷۵ھ)، ط: اشرفی بکڈپو، دیوبند۔

۲۲- **ترمذی شریف** :ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی بن سورہ ترمذی (۲۰۹-۲۷۹ھ)، ط:اشرفی بک ڈپو، دیوبند۔

۲۳- **نسائی شریف**:ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی (۳۰۳ھ)، ط: مکتبہ تھانوی، دیوبند۔

۲۴- **ابن ماجه شریف** :ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۹-۲۷۳ھ)، ط:اشرفی بک ڈپو، دیوبند، ۱۴۰۷ھ۔

۲۵- **المؤطا لمالک** :امام مالک عبداللہ مالک بن انس اصبحی (۹۵-۱۷۹ھ)، ط:یاسر ندیم اینڈ کمپنی۔

۲۶- **مسند الامام أحمد بن حنبل** :امام احمد بن حنبل شیبانی (۲۴۰ھ)، ط:المکتب الاسلامی، طبع اول ۱۴۱۳ھ۔

۲۷- **سنن الدار قطنی** :علی بن عمر دارقطنی (۳۸۵ھ)، ط: دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبع اول ۱۴۱۷ھ۔

۲۸- **سنن دارمی** :ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی (۱۸۱-۲۵۵ھ)، ط: حدیث اکیڈمی، پاکستان، ۱۴۰۴ھ۔

۲۸- **المعجم الأوسط**:سلیمان بن احمد بن ایوب ابوالقاسم الطبرانی (۳۶۰ھ)

۲۸- **شرح معانی الآثار**:ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی (۲۲۸-۳۲۱ھ)

۲۹- **مجمع الزوائد** : حافظ نورالدین علی بن ابوبکر ہیثمی (۷۳۵-۸۰۷ھ)، ط: دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۲ھ۔

۳۰- **المستدرک علی الصحیحین** (**المعروف بحاکم**):امام حافظ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم نیساپوری، تحقیق: مصطفیٰ عبدالقادر عطاء، ط: دارالکتب العلمیۃ، بیروت۔

۳۱- **مجمع البحرین**:ابوحسن علی بن ابوبکر ہیثمی (۸۰۷ھ)، ط: دارالکتب العلمیۃ، بیروت۔

۳۲- **نصب الرایة**:ابومحمد عبداللہ بن یوسف حنفی زیلعی (۷۶۲ھ)، ط: مجلس علمی، سورت گجرات، طبع دوم ۱۴۰۸ھ۔

۳۳- **شرح السنة**: حسین بن سعود بغوی (۴۳۶-۵۱۶ھ)، ط: المکتب الاسلامی، طبع دوم، ۱۴۰۳ھ۔

۳۴- **کنز العمال**: علی متقی بن حسام الدین ہندی (۹۷۴ھ)، ط: دائرۃ المعارف، حیدرآباد، الہند، طبع سوم ۱۴۰۶ھ۔

۳۵- **نیل الأوطار**: محمد بن علی بن محمد شوکانی (۱۱۷۳-۱۲۵۰ھ)، ط: مؤسسۃ تاریخ العربی۔

۳۶- **اعلاء السنن**: مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی، ط: ادارۃ القرآن، پاکستان، طبع اول ۱۴۱۷ھ۔

۳۷- **عمدة القاری شرح البخاری عینی**: بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی (۷۶۲-۸۵۵ھ)، ط: دارالفکر، بیروت۔

۳۸- **فتح الباری شرح البخاری**: احمد بن علی بن حجر عسقلانی (۷۷۳-۸۵۳ھ)، ط: مکتبہ قدیمی، کراچی، پاکستان۔

۳۹- **فیض الباری علی صحیح البخاری**: شیخ محمد انور شاہ کشمیری (۱۳۵۲ھ)، ط: مکتبہ حقانیہ پشاور، پاکستان۔

۴۰- **شرح النووی علی مسلم**: ابوزکریا محی الدین بن سرف النووی (۶۳۱-۶۷۶ھ)، ط: علی ہامش صحیح مسلم، ۱۴۱۸ھ۔

۴۱- **تکملة فتح الملهم**: مفتی محمد تقی عثمانی، ط: مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، طبع اول ۱۹۹۹ء۔

۴۲- **الفتح الربانی**: احمد عبدالرحمٰن بناء ساعاتی، ط: دارالاحیاء التراث العربی۔

۴۳- **بلوغ الأمانی**: احمد عبدالرحمٰن بناء ساعاتی، ط: علی ہامش فتح الربانی۔

۴۴- **بذل المجهود علی حل أبی داؤد**: مولانا خلیل احمد سہارنپوری (۱۲۶۹-۱۳۴۶ھ)، ط: مکتبہ رشیدیہ، سہارنپور، الہند۔

۴۵- **مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح**: علی بن سلطان المعروف بملا علی قاری (۱۰۱۴ھ)، ط: مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الہند۔

فقہ حنفی

۴۶- **بدائع الصنائع**: علامہ علاء الدین ابوبکر بن سعود کاسانی (۵۸۷ھ)، ط: مکتبہ زکریا،

۴۷- **البحر الرائق**: زین الدین ابراہیم بن محمد، المعروف بابن نجیم مصریؒ (۹۲۶-۹۷۰ھ)، ط: مکتبہ زکریا، دیوبند، طبع اول ۱۴۱۹ھ۔

۴۸- **تکملة البحر الرائق**: محمد بن حسین بن علی طوری قادریؒ (۱۰۰۵-۱۱۳ھ)، ط: مکتبہ زکریا، دیوبند، طبع اول: ۱۴۱۹ھ۔

۴۹- **هداية**: برہان الدین علی بن ابوبکر فرغانی مرغینانیؒ (۵۱۱-۵۹۳ھ)، ط: علی ہامش فتح القدیر۔

۵۰- **فتح القدير**: محمد بن عبدالواحد، المعروف بابن ہمامؒ (۷۸۸-۸۶۱ھ)، ط: مکتبہ رشیدیہ، پاکستان۔

۵۱- **عناية شرح الهداية**: اکمل الدین محمد بن محمد بابرتیؒ (۷۸۶ھ)، ط: علی ہامش فتح القدیر۔

۵۲- **ملتقى الأبحر**: ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحلبی۔

۵۲- **مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر**: عبدالرحمٰن بن محمد بن سلیمان المدعو شیخی زادہ (۱۰۷۸ھ)، ط: دارالاحیاء التراث العربی۔

۵۳- **الدر المنتقى شرح ملتقى الأبحر**: محمد بن علاء الدین حصکفی دمشقیؒ (۱۲۵-۱۰۸۸ھ)، ط: علی ہامش مجمع الأنہر۔

۵۴- **المبسوط للسرخسي**: شمس الأئمہ ابوبکر محمد بن احمد سرخسیؒ (۴۰۰-۴۹۰ھ)

۵۴- **تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق**: فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی (۷۴۳ھ)

۵۵- **تنوير الأبصار**: علامہ تمرتاشی محمد بن عبداللہؒ (۹۳۹-۱۰۰۴ھ)۔

۵۶- **الدر المختار شرح تنوير الأبصار**: محمد بن علاء الدین حصکفی دمشقیؒ (۱۲۵-۱۰۸۸ھ)، ط: علی ہامش ردالمحتار۔

۵۷- **ردالمحتار**: محمد امین عابدین بن عمر عابدین شامیؒ (۱۱۹۸ھ-۱۲۵۱ھ)، ط: مکتبہ زکریا،

۵۸- **تقريرات رافعي**: عبدالقادر رافعی فاروقی حنفی، ط: علی ہامش ردالمحتار۔

۵۹- **درر الحكام على غرر الأحكام**: ملاخسرو حنفی، ط: میر محمد، کراچی، پاکستان۔

۶۰- **فقه السنة**: علامہ سید سابق، ط: دارالکتب العربی۔

۶۱- **فتاویٰ تاتار خانية**: عالم بن علاء الانصاری اندرپتی دہلوی (۷۸۶ھ)، ط: ادارۃ القرآن، پاکستان۔

۶۲- **فتاویٰ ھندیة**: شیخ نظام و جماعۃ علماء ہند، ط: مکتبہ زکریا، دیوبند، الہند۔

۶۳- **فتاویٰ قاضی خاں**: فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی فرغانی (۲۹۵ھ)، ط: علی ہامش فتاویٰ ہندیہ۔

۶۴- **فتاویٰ سراجیة**: علامہ سراج الدین اودنیؒ (سن تالیف: ۵۶۹ھ)، ط: منشی نولکشور، لکھنؤ۔

۶۵- **امداد الفتاویٰ**: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۲۸۰ھ-۱۳۶۲ھ)۔

۶۶- **جواھر الفقه**: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ۔

۶۷- **فتاویٰ محمودیه**: مفتی محمود حسن گنگوہیؒ (۱۹۹۶ء)، ط: مکتبہ زکریا، دیوبند۔

۶۸- **فتاویٰ رحیمیه**: مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری (۱۴۲۲ھ)، ط: مکتبہ رحیمیہ، سورت گجرات۔

۶۹- **فتاویٰ عبد الحی**: حضرت مولانا عبدالحئی لکھنویؒ (۱۲۶۴-۱۳۰۴ھ)، ط: مکتبہ تھانوی،

۷۰- **آپ کے مسائل اور ان کا حل**: حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، ط: مکتبہ نعیمیہ۔

۷۱- **احسن الفتاویٰ**: حضرت مولانا مفتی رشید احمد دامت برکاتہم، پاکستان۔

۷۲- **حلال و حرام**: حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب حفظہ اللہ ورعاہ۔

۷۳- **اسلام اور جدید معاشی مسائل**: حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب حفظہ اللہ ورعاہ، ط: مکتبہ نعیمیہ، دیوبند۔

۷۳- **جدید فقھی مسائل**: حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب حفظہ اللہ ورعاہ۔

۷۴- **ایضاح النوادر**: حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب، سن طباعت: ۱۴۱۴ھ۔

۷۵- **اسلامی فقه**: حضرت مولانا مجیب اللہ ندویؒ، ط: تاج کمپنی، دہلی۔

فقه مالکی

۷۶- **المدونة الکبریٰ**: امام مالک بن انس اصبحیؒ (۹۵-۱۷۵ھ)، ط: دار الفکر، بیروت۔

۷۷- **مقدمات ابن رشد**: ابوالولید محمد بن احمد بن رشدؒ (۵۲۰-۵۹۵ھ)، ط: علی ہامش المدونۃ الکبریٰ۔

۷۸- **بدایة المجتهد**: ابوالولید محمد بن احمد بن رشدؒ (۵۲۰ھ-۵۹۵ھ)، ط: دار المعرفہ،

بیروت، ۱۴۱۸ھ۔

۸۹- **الشرح الصغیر**: دردیر احمد بن محمد بن عدویؒ (۱۲۰۱ھ)، ط: دار المعارف، مصر، ۱۳۹۲ھ۔

۸۰- **الشرح الکبیر**: دردیر احمد بن محمد عدویؒ (۱۲۰۱ھ)، ط: علی ہامش حاشیۃ الدسوقی، ۱۴۱۷ھ۔

۸۱- **حاشیۃ الصاوی**: احمد بن محمد صاوی مالکیؒ، ط: علی ہامش الشرح الصغیر، ۱۴۱۷ھ۔

۸۲- **حاشیۃ الدسوقی**: محمد بن احمد دسوقی مالکی (۱۲۳۰ھ)، ط: عباس احمد باز، مکۃ المکرمہ، ۱۴۱۷ھ۔

فقہ شافعی

۸۳- **کتاب الأم**: امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعیؒ (۱۵۰ھ-۲۰۴ھ) دار المعرفۃ، بیروت۔

۸۴- **المجموع شرح المھذب**: ابوزکریا محی الدین شرف النوویؒ (۶۳۱-۶۷۶ھ)، ط: دار الفکر، مصر۔

۸۵- **فتح العزیز شرح الوجیز**: ابوالقاسم عبدالکریم بن محمد قزوینی رافعیؒ (۶۲۳ھ)، ط: علی ہامش المجموع۔

۸۶- **روضۃ الطالبین**: ابوزکریا محی الدین شرف النوویؒ (۶۳۱-۶۷۶ھ)، ط: مکتبۃ اسلامی، طبع سوم ۱۴۰۹ھ۔

۸۷- **منھاج الطالبین**: ابوزکریا محی الدین شرف النوویؒ (۶۳۱-۶۷۶ھ)، ط: علی ہامش زاد المحتاج ومغنی المحتاج ونہایۃ المحتاج۔

۸۸- **مغنی المحتاج شرح المنھاج**: محمد شربینی وعلماء شافعیہ دسویں ہجری، ط: دار الاحیاء التراث العربی۔

۸۹- **زاد المحتاج شرح المنھاج**: عبداللہ بن شیخ حسن الکرمیؒ، ط: مکتبہ عصریہ، بیروت ۱۴۰۹ھ۔

۹۰- **نھایۃ المحتاج شرح المنھاج**: شافعی صغیر شمس الدین محمد بن ابوالعباس مصریؒ (۱۰۰۴ھ)، ط: دار الاحیاء التراث العربی، طبع سوم ۱۴۱۳ھ۔

۹۱- **حاشیۃ شبراملسی**: ابوالضیاء علی بن علی شبراملسی قاہریؒ (۱۰۸۷ھ)، ط: علی ہامش

نہایۃ المحتاج۔

۹۲- **حاشیۃ رشیدی** :احمد بن عبدالرزاق، المعروف بمغربی رشیدیؒ (۱۰۹۶ھ)، ط:علی ہامش نہایۃ المحتاج۔

فقہ حنبلی

۹۳- **المغنی**:ابوفرح عبدالرحمٰن بن محمد بن قدامہ مقدسیؒ (۵۹۸-۶۸۲ھ)، ط:دارعالم الکتب، ریاض، طبع سوم، ۱۴۱۷ھ۔

۹۴- **الشرح الکبیر** :ابوفرح عبدالرحمٰن بن محمد قدامہ مقدسیؒ (۵۹۸-۶۸۲ھ)، تحقیق:ڈاکٹر عبداللہ محسن ترکی، سن طباعت:۱۴۱۹ھ۔

۹۵- **الإنصاف**:علی بن سلیمان مرداویؒ (۸۱۷-۸۸۵ھ)، تحقیق:ڈاکٹر عبداللہ محسن ترکی، سن طباعت:۱۴۱۹ھ۔

۹۶- **المقنع**:عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ مقدسیؒ (۵۴۱-۶۲۰ھ)، تحقیق:ڈاکٹر عبداللہ محسن ترکی، سن طباعت:۱۴۱۹ھ۔

۹۷- **الکافی**:عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ مقدسیؒ (۵۴۱-۶۲۰ھ)، تحقیق:ڈاکٹر عبداللہ محسن ترکی، سن طباعت:۱۴۱۹ھ۔

۹۸- **الإقناع**:موسیٰ بن احمد ابوالنجا حجاوی مقدسی (۸۹۵-۹۶۸ھ)، تحقیق:ڈاکٹر عبداللہ محسن ترکی۔

۹۹- **الروض المربع** : شیخ منصور بن یونس بہوتی، تحقیق:ڈاکٹر عبداللہ محسن ترکی، سن طباعت:۱۴۱۹ھ۔

۱۰۰- **منتھی الإرادات** :ابن نجار تقی الدین محمد بن احمد فتوحیؒ (۹۷۲ھ)، تحقیق:ڈاکٹر عبداللہ محسن ترکی، طبع اول ۱۴۱۹ھ۔

۱۰۱- **حاشیۃ النجدی** :عثمان بن احمد نجدی، المعروف بابن قائدؒ (۱۰۹۷ھ)، ط:علی ہامش منتہی الارادات، طبع اول ۱۴۱۹ھ۔

۱۰۲- **مجموعۃ الفتاوی**:شیخ الاسلام احمد بن تیمیہؒ (۶۶۱-۷۲۸ھ) جمع وترتیب:عبدالرحمٰن بن محمد۔

اصول فقه

۱۰۳- **الأشباه والنظائر**: زین الدین بن ابراہیم بن نجیم مصریؒ (۹۲۶-۹۸۷۰ھ)۔

۱۰۴- **التعريفات الفقهية**: سید عمیم الاحسان مجددی برکتی، ط: نشر وتالیف، ڈھاکہ بنگلہ دیش، ۱۳۸۱ھ۔

۱۰۵- **كتاب التعريفات**: سید شریف علی بن محمد جرجانیؒ (۸۱۶ھ)، ط: مکتبہ فقیہ الامت، دیوبند۔

۱۰۶- **كتاب الفروق**: شہاب الدین ابوالعباس احمد بن ادریس قرافیؒ، ط: دار عالم الکتب۔

۱۰۷- **كتاب الإجماع**: ابوبکر بن محمد بن ابراہیم بن منذر نیساپوریؒ (۳۱۸ھ)، ط: دار الطیبہ، ریاض، ۱۴۰۲ھ۔

۱۰۸- **الإحكام في اصول الأحكام**: امام علی بن محمد آمدیؒ (۴۷۱ھ)۔

۱۰۹- **قواعد الفقه**: مفتی سید عمیم الاحسان مجددی برکتی۔

۱۱۰- **رسم المفتي**: محمد امین عابدین بن عمر عابدینؒ (۱۱۹۸-۱۲۵۲ھ)۔

اللغات

۱۱۲- **لسان العرب**: علامہ ابن منظورؒ (۶۳۰-۷۱۱ھ)، ط: دار الاحیاء التراث العربی، طبع سوم، ۱۴۱۸ھ۔

۱۱۳- **القاموس المحيط**: طاہر احمد زاوی، ط: دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۱۷ھ۔

۱۱۴- **القاموس الوحيد**: مولانا وحید الزمان قاسمی کیرانوی، ط: مکتبہ حسینیہ، دیوبند۔

۱۱۵- **القاموس الفقهي**: علامہ سعدی ابوحبیب۔

۱۱۶- **قاموس القرآن**: قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی، ط: دار الاشاعت، اُردو بازار، کراچی۔

۱۱۷- **المنجد** (اُردو عربی): مفتی محمد شفیع اور علماء ہند و پاک، تحقیق: مولانا سجان محمد مظاہری۔

۱۱۸- **مصباح اللغات**: ابوالفضل مولانا عبدالحفیظ بلیاوی، ط: مکتبہ برہان، اُردو بازار، جامع مسجد، نیو دہلی۔

المتفرقات

۱۱۹- **حجة الله البالغة**: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۱۴-۱۱۷۶ھ)، مع اُردو ترجمہ۔

۱۲۰- **زاد المعاد** :ابن قیم جوزی ابوعبداللہ محمد دمشقی زرعیؒ (۶۹۱-۷۵۱ھ)، ط: دارعالم الکتب، ۱۴۱۵ھ۔

۱۲۱- **المحلی شرح المجلی** :ابومحمد بن علی بن احمد بن سعید بن حزم، المعروف: بابن حزمؒ (۴۵۶ھ)، تحقیق: احمد محمد شاکر، طبع اول، ۱۴۱۸ھ

۱۲۲- **موسوعة فقه عمر بن خطاب**: ڈاکٹر محمد بن رواس قلعہ جی، ط: مکتبہ فلاح، ۱۴۰۲ھ۔

۱۲۳- **الموسوعة الفقهية**: من وزارة الأوقاف والشؤن الإسلامية، کویت۔

۱۲۴- **المسابقات**: سعد بن ناصر بن عبدالعزیز الشتری، ط: دارالعصامۃ ودارالغیث، ۱۴۱۸ھ۔

المعهد العالي الإسلامي حيدرآباد انديا

AL MAHADUL AALI AL ISLAMI
HYDERABAD - INDIA

Taleemabad, Quba Colony, Post : Pahadi Shareef,
Hyderabad - 500 005. (A.P.)
Phone : +91 40 20022098, +91 9959642747, 9989709240
Website : www.almahad.org
E-mail : ksrahmani@yahoo.com

Al Akram Graphics - 91 [illegible]

Input

Scanner: Panasonic KX-MB2010SX Options...

Sides: Both Sides

Color Mode: Autodetect

Resolution: 300 DPI

Paper Size: Custom

Width: 137 mm Height: 221 mm

☑ Prompt for scanning more pages

Output

◉ New PDF Document

☐ Multiple files More Options...

○ Append to existing file or portfolio

Select: C:\Users\Salman\Desktop\cover.pdf Browse

Document Settings

☑ Optimize Scanned PDF